بیاد

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلّہ

الحق

ماھنامہ

ربیع الاول ۱۴۲۲ھ جون ۲۰۰۱ء

مُدیر مسئول

مولانا سمیع الحق

ماہنامہ "الحق" کی خصوصی اشاعت اگست، ستمبر میں آرہی ہے

"اکیسویں صدی کے چیلنجز اور عالم اسلام"

ان دنوں تیاری کے آخری مراحل میں ہے۔ جس میں بیسویں صدی کی عالمی اسلامی تحریکات کا خلاصہ کامیابیوں کا جائزہ اور ناکامیوں کی داستانِ درد بھی موجود ہوگی اور ساتھ ہی اکیسویں صدی میں امریکی نیو ورلڈ آرڈر، صیہونیت اور عیسائیت کی مکروہ سازشوں کا مقابلہ کرنے کیلئے فکری مواد بھی موجود ہوگا۔ ان شاء اللہ یہ نمبر عالم اسلام کیلئے ایک ٹھوس لائحہ عمل پر مبنی چشم کشا دستاویز تصور کیا جائے گا اور علمی وادبی اور تاریخی موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں کیلئے یہ نمبر خصوصی اہمیت کا حامل ہوگا۔

جن اہم حضرات کے مقالات ابھی تک وعدے کے مطابق موصول نہیں ہوئے ان سے آخری بار گذارش ہے کہ وہ اپنی گرانقدر نگارشات جلد از جلد ماہنامہ الحق کے نام ارسال کردیں۔

نوٹ: جو کاروباری ادارے اپنے اشتہارات اس نمبر میں شائع کروانا چاہتے ہیں تو وہ ابھی سے ادارہ سے رجوع کریں۔

دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ، سرحد

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن سے تصدیق شدہ

ماہنامہ الحق

جلد نمبر ---36
شمارہ نمبر --- 9
ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
جون ۲۰۰۱ء

دارالعلوم حقانیہ ... 7 JUN 2001 اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ	نگران	مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: اسلحہ جمع کرنے کی حکومتی مہم یا امریکی اہداف کی تکمیل' نامور علمی شخصیت صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کی جدائی' نیپالی ولی عہد کے ہاتھوں بادشاہ اور شاہی خاندان کا صفایا .... مدیر ۲

اسلام کا نظام اکل و شرب اور اسلام کا فلسفہ حلال و حرام .... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۷

امام طحاویؒ (محدث وقت) .... مولانا تقی الدین ندوی ۲۳

امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ: کیوں اور کیسے؟ .... مولانا شہاب الدین ندوی ۳۸

دارالعلوم حقانیہ اور اس کے داعی .... کرنل (ریٹائرڈ) محمد اعظم ۴۴

عدم برداشت کا ابھرتا ہوا رجحان اور تعلیمات نبویؐ .... ڈاکٹر اکرام اللہ جان قاسمی ۴۸

ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں دینی علوم کی ضرورت .... جناب عبدالقہار پیرزادہ ۵۸

دارالعلوم کے شب و روز .... جناب شفیق الدین فاروقی ۶۱

تعارف و تبصرہ کتب .... مولانا محمد ابراہیم فانی ۶۳

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: 630435 , 630340 -(0923)
ای میل نمبر: E Mail : haqania@nsr.pol.com.pk
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/20 روپے سالانہ =/200 روپے، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
بلش: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ... منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز راشد الحق سمیع حقانی

اسلحہ جمع کرنے کی حکومتی مہم یا امریکی اہداف کی تکمیل

تقریباً ایک مہینہ سے وفاقی حکومت نے ملک میں اسلحہ جمع کرنے کی مہم انتہائی تیزی سے شروع کر رکھی ہے اور اس میں ہمارے "نامور" وفاقی وزیر داخلہ جناب معین الدین حیدر اپنی روایتی دھمکیوں کے ساتھ میدان میں اتر آئے ہیں اور خصوصاً انہوں نے دینی طبقوں، جہادی تنظیموں اور اسلامی مدارس کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ مہم کس کو خوش کرنے کیلئے اور کس کے اشارے پر چلائی جارہی ہے، اور اسکے اصل اہداف کیا ہیں؟ اور پھر اس کا براہ راست اثر کن مقاصد پر پڑے گا؟ یہ بات پوری طرح عیاں ہے کہ امریکہ اپنے نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل کیلئے مسلمانان پاکستان میں جہادی جذبہ کی بیداری کو ایک بہت بڑی رکاوٹ اور خطرہ سمجھتا ہے اور امریکہ کی ہدایات پر پاکستان میں یہ سب کچھ کیا جارہا ہے کہ اس مہم کے ذریعے پاکستان میں کشمیر کے حوالے سے جہادی تحریکات کو بھی کمزور کیا جائے اور پاکستان میں طالبان طرز پر آنے والے اسلامی انقلاب کا راستہ بھی روکا جائے۔ ہتھیار جمع کرانے کی مہم کے بعد پاکستان کا ایٹمی اور میزائل پروگرام بھی بتدریج منجمد کیا جائے گا۔ کیونکہ دراصل عالم کفر کو پاکستانی پستول اور بندوق کے مقابلے میں ایٹم بم سے زیادہ خطرہ ہے (اسی لئے امریکہ نیشنل میزائل ڈیفنس پروگرام بنا رہا ہے۔) اور آخر میں انہیں مزید خوش کرنے کیلئے سی ٹی بی ٹی پر بھی دستخط کرائے جائیں گے اور اس طرح اسلحہ کے خلاف جاری مہم کی آڑ میں دینی مدارس کے تقدس کو بھی پامال کیا جائے گا کیونکہ اس مہم کی تہہ میں حکومت کا دراصل یہی فتور چھپا ہے لیکن ہم یہاں پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ الحمدللہ دینی مدارس میں کسی قسم کا اسلحہ یا دیگر تخریبی مواد نہ صرف موجود ہے بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حکومتی ایجنسیوں اور معین حیدر کو مدارس میں قلم کتاب کے علاوہ ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ البتہ انہیں پاکستانی یونیورسٹیز اور کالجز اسلحہ سے بھرے ملیں گے۔

دراصل اس مہم کو چلانے کی ضرورت حکومت کو اس لئے پیش آئی کہ حکومت اپنے اہداف 'اقتصادی صورتحال کی بہتری اور ملک میں امن وامان قائم رکھنے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے اور اب یہ اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے دینی حلقوں اور جہادی تنظیموں پر ملبہ ڈالنا چاہتی ہے۔ لیکن اس سے حقائق کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی ایک دو مثالیں پیش خدمت ہیں: آئے دن اخبارات میں دن دھاڑے قتل

عام اور ڈاکوؤں کی چیرہ دستیوں کی خبریں آرہی ہیں چنانچہ اسلحہ جمع کرانے کی اس مہم کے دوران ۱۳ جون کو گورنر سرحد کے خصوصی سیکرٹری کو دیگر افراد کے ہمراہ سڑک سے اغوا کیا گیا۔ پھر اتوار ۱۷ جون ۲۰۰۱ء کے اخبارات میں جلی سرخیوں سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ صوبائی دارالحکومت پشاور کے گنجان علاقے کاشکال میں رات نو دس بجے ڈاکوؤں نے معروف تاجر کو اس کی اہلیہ اور بیٹی سمیت نہ صرف ذبح کیا بلکہ واردات کے بعد کافی دیر تک ہوائی فائرنگ بھی کرتے رہے۔ اس سے ایک ہفتہ قبل پشاور ہی کے ماڈرن ایریا حیات آباد میں دن دیہاڑے ایک معروف سماجی وروحانی شخصیت کے خاندان کو نہ صرف اغوا کیا گیا بلکہ اس کی اہلیہ کو بھی جان سے مار دیا گیا۔ اب محترم وزیر داخلہ صاحب بتائیں کہ ان ابتر اور ناگفتہ بہ حالات میں عوام اپنے دفاع اور عزت نفس کی حفاظت کے حق سے بھی امریکی ایجنڈے کی خاطر دستبردار ہو جائیں؟ اور خود کو ڈاکوؤں اور قاتلوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟ امن وامان قائم رکھنے والے ادارے اور خصوصاً محکمہ پولیس کی ناکامی کے بعد عوام کا اسلحہ جمع کرانا اور ان پر اعتماد کرنا کہاں ممکن ہے۔ ع ایں خیال است، محال است، جنوں

ہمارے ملک کے اربابِ اقتدار کی عقل پر بس صرف رویا جاسکتا ہے جیسا کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے:

سگ ہا را کشادہ اند و سنگہا را بستند — یعنی کتوں کو کھلا چھوڑا گیا ہے اور پتھروں کو باندھا گیا ہے

ہتھیار جمع کرانے کی آخری تاریخ ۲۰ جون کے بعد یعنی اگر ملک میں قتل، اغوا یا ڈکیتی کا کوئی واقعہ پیش آیا تو پھر اس کی ذمہ داری براہ راست پاکستانی حکام، محکمہ پولیس اور وزیر داخلہ پر عائد ہوگی اور وہی جواب دہ اور مجرم سمجھیں جائیں گے۔ اصولاً حکومت کو یہاں تحریک طالبان کی طرح مکمل امن وامان قائم کرنا چاہیے تھا اس کے ساتھ انہیں ایک مکمل لائحہ عمل طے کر کے عوام کا اعتماد بحال کرنا چاہیے تھا اگر پولیس اور حکومت عوام کو صحیح تحفظ فراہم کرتی اور اچھی کارکردگی دکھاتی اور انہیں عدالتوں سے صحیح انصاف بھی فراہم ہوتا تو پاکستان کے پرامن شہری کبھی بھی ہتھیار نہ خریدتے اور نہ اپنے پاس رکھتے۔ لیکن اس طوائف الملوکی، حکومت کی ناکامی اور احساسِ عدم تحفظ کے پیش نظر وہ مجبور ہیں اور پھر شریعت پاکستانی آئین اور بین الاقوامی چارٹر بھی اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہر کوئی اپنی حفاظت کیلئے اپنے پاس اسلحہ رکھ سکتا ہے۔ امریکہ اور مغرب سمیت دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک میں یہ حق عوام کو میسر ہے۔ اور پھر اسلامی تعلیمات کا تو یہی تقاضا ہے کہ مسلمان ہر وقت جہاد کیلئے تیار رہیں، مبادا اچانک کوئی حادثہ یا دشمن ملک حملہ آور ہو سکتا ہے اس کی مثال ماضی میں کشمیر کا جہاد ہے جس میں قبائلیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی پاکستانی افواج کے ساتھ شانہ بشانہ لڑے۔

اس لئے ہماری حکومت سے اپیل ہے کہ وہ امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے بجائے خدا اور خلق خدا کو خوش کرنے کا عہد کرے اور ملک میں امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال، دن بدن بڑھتی ہوئی مہنگائی،

اقتصادی اور معیشت کی خراب حالت زار کو بہتر بنانے اور اپنے سات نکاتی ایجنڈے کی تکمیل پر توجہ مرکوز کرے۔ اسی میں پاکستانی عوام کی بہتری اور آپ کی حکومت کی نیک نامی ہے۔

نامور علمی شخصیت صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کی جدائی

ماہ رواں علمی حلقوں اور خصوصاً اسلامی صحافت کے لئے ایک بڑا حادثہ اپنے اندر پنہاں لایا' ہمارے ملک کے نامور ادیب' ممتاز صحافی' صاحب طرز کالم نگار اور ماہنامہ ''تسخیر'' کے ایڈیٹر صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی اچانک ہم سب کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے کوچہ عدم کے راہی ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دست قضاء نے آسمان علم و فضل کا ایک اور روشن آفتاب ہم سے چھین لیا جو کہ اس وقت اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گیلانی صاحب کی وفات سے وہ قلم بھی ہمیشہ کے لئے سوکھ گیا جو امت کے غم میں ہر وقت پُر نم رہتا اور اس بے چین دل کی دھڑکنیں بھی رک گئیں جس کی رفتار کے باعث آپ کے قارئین اور مداحوں کے دلوں میں نئے ولولے اور دھڑکنیں جواں ہوتیں' آپ کے قلم کے سحر کے شکار نہ صرف ہم جیسے طفلان مکتب تھے بلکہ بڑے بڑے خواص اور علمی شخصیتیں بھی آپ کی تحریر کی گرویدہ تھیں آپ کے فکر و تخیل کی بلندی ہمدوش ثریا تھی اور خیالات وافکار کی وسعت و پختگی موجودہ زمانے میں کمیاب تھی آپ کی تحریر تنوع مضامین جامعیت' فصاحت وبلاغت استعارات و تلمیحات اور عقل و خرد کا موقع ہوتی تھی جس میں الفاظ و معانی کا صحیح استعمال' جملوں کی ترتیب کا خیال اور پورے سلیقہ کے ساتھ اشعار کے بر محل اظہار کا ایک پر کیف امتزاج ہوتا۔ آپ کی شخصیت کے کئی پہلو تھے اور مختلف شعبوں میں آپ کی گوناں گوں خدمات رہی ہیں۔ آپ کئی سال سے کینسر جیسے جان لیوا مرض کے شکار تھے لیکن پھر بھی آپ نے ہمت نہیں ہاری اور برابر قلم و قرطاس اور علم ادب سے وابستہ رہے۔ آخر کار مرض پوری طرح بے قابو ہو گیا اور آپ نے لاہور کے ایک مقامی ہسپتال میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ ع اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

آپ ہمارے بہت ہی مشفق اور مہربان تھے۔ ہمارے ''الحق'' کے خصوصی نمبر ''اکیسویں صدی کے چیلنج اور عالم اسلام'' کیلئے راقم کی معمولی درخواست پر آپ نے ایک گراں قدر علمی اور تحقیقی مقالہ لکھ کر ہمیں فوراً ارسال کیا۔ جس میں آپ نے جگر سوزی اور دردِ دل کے ساتھ امت مسلمہ کی موجودہ حالت زار' اور علماً کی بے اتفاقی پر اشک ہائے درد بہائے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ اتحاد امت کے نہ صرف علمبردار بلکہ یہ آپ کے دل کی ایک بڑی خواہش بھی تھی۔

آج آپ کے جواں سالہ موت سے دینی صحافت کا ایک اہم ستون گر گیا ہے۔ اور دینی صحافت اپنے ایک بہت ہی مخلص اور کارآمد رفیق کار سے محروم ہوگئی۔

اب کاوش محروم تجھے ڈھونڈ رہی ہے ایک تو ہی تو سرمایہ خونیں جگراں تھا

نیپالی ولی عہد کے ہاتھوں بادشاہ اور شاہی خاندان کا صفایا

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یوں تو بادشاہوں کے واقعات اذکار اور انکی زندگی اور موت کی حکایتوں اور فسانوں سے تاریخ کی کمر لدی ہوئی ہے بلکہ حقیقت میں تاریخ کے دامن میں بجز شاہوں کے فرضی واقعات اور جھوٹے مناقب و فضائل کے علاوہ ہے ہی کیا۔ بادشاہوں کی زندگی جتنی پرکشش، پرعیش اور پرلطف ہوا کرتی ہے اس کے برعکس ان کی موت عبرت انگیز، حسرت ناک بلکہ نہایت دردناک ہوا کرتی ہے۔ اس کی تازہ مثال نیپالی ولی عہد دیپندرا کے ہاتھوں شاہی محل میں اپنے والدین شاہ بریندر ابر بکرم شیو دیو اور ملکہ ایشوریہ بہن بھائیوں اور دیگر قریبی عزیزوں سمیت تیرہ افراد کا دردناک قتل عام ہے۔

کہتے ہیں کہ اس خونی ہولی میں ہاتھ رنگنے کے بعد ولی عہد نے آخر میں اپنی زندگی کا چراغ بھی گل کر لیا۔ اس واقعہ نے نہ صرف نیپالی عوام کے صبر و سکون کو ہلا ڈالا بلکہ پوری دنیا کو اس واردات نے جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ اس واقعہ کو چیخ چیخ کر سنا رہے تھے۔ اور خلق خدا ورطہ ء حیرت سے یہ خبریں سن رہی تھی۔ دراصل یہ حیرت اور سکتہ اس لیے دنیا پر طاری ہوگیا تھا کہ صدیوں اور زمانوں بعد ہی ایسا واقعہ پیش آیا تھا کہ اقتدار کی کشمکش اور محلاتی سازشوں سے ماورا ولی عہد وقت نے بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد سے معمولی تنازعہ پر طیش میں آکر سب کو اڑا ڈالا۔ تاریخ میں اس جیسے واقعہ کی مثال شاید ہی نظر آئے گی (اگرچہ ۱۹۱۹ء میں زاران روس "شاہی خاندان" کے اکثر افراد کو بھی قتل کیا گیا تھا لیکن اس کی وجہ اشتراکی انقلاب تھا)۔

اس خونی واقعہ کے متعلق آئے روز اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں طرح طرح کی افواہیں اور قصے منظر عام پر آرہے ہیں۔ کوئی کہہ رہا کہ موجودہ بادشاہ کے بیٹے نے یہ "کارنامہ" سرانجام دیا ہے۔ تو کوئی یہ بتلا رہا ہے کہ بھارت اس خونی واقعہ میں کسی نہ کسی طور پر ملوث ہے اور یہ سب کیا دھرا "را" کا ہے۔ خصوصاً نیپالی عوام اس رائے پر اصرار کررہے ہیں لیکن کوئی بھی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اس واقعہ کے متعلق درجنوں سوالات اٹھائے جارہے ہیں اور واردات کے ڈانڈے کئی سمتوں سے ملائے جارہے ہیں۔ الغرض طرح طرح کی بولیاں سننے میں آرہی ہیں لیکن ابتک سب سے زیادہ شواہد اور زور اس نکتہ پر دیا جارہا ہے کہ ولی عہد دیپندرا ہی نے

درس ترمذی شریف

افادات : حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

ضبط و ترتیب : مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

اسلام کا نظامِ اکل و شرب اور اسلام کا فلسفہ حلال و حرام

امام ترمذی کی جامع السنن کی کتاب الاطعمہ کی روشنی میں

ابواب الاطعمة عن رسول الله ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے کھانے کے بارے میں آداب و احکام

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی درس ترمذی کے افادات اس عنوان سے مرحلہ وار شائع ہو رہے ہیں جو اس وقت کتابی شکل میں ترتیب وطباعت کے مراحل میں ہیں ابواب الاطعمہ کے ابتدائی درس میں مولانا نے اسلام کے فلسفہ حلال و حرام پر تفصیل سے اور منفرد انداز میں بحث کی ہے جسے قارئین کے افادہ کے لئے ٹیپ ریکارڈ سے ضبط کر کے پیش کیا جارہا ہے (ادارہ)

تمہید:

یہ امام ترمذی کی کتاب جامع السنن کی دوسری جلد ہے کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں تفصیلی مباحث آپ نے جلد اول کے شروع میں سن لئے ہیں اس جلد میں دوبارہ تکرار کی ضرورت نہیں۔ ہاں ساتھ ساتھ ضروری مباحث ان شاء اللہ عرض کرتا رہوں گا۔ امام ترمذیؒ جلد دوم کا آغاز اطعمہ سے فرماتے ہیں۔ کھانے پینے کے متعلق جتنی روایات رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں مثلاً اقوال، افعال یا تقریرات وغیرہ ان کو ابواب الاطعمہ میں جمع کیا ہے۔ جلد ثانی میں اور بھی اہم مباحث ہیں عقائد جیسی اہم بحث اسی جلد میں ہے عبادات سے متعلق گفتگو بھی ہے۔ یہاں تک کہ ابواب التفسیر جیسے اہم ابواب بھی کتاب التفسیر کی شکل میں اسی جلد میں ہیں۔

ابواب الاطعمۃ سے آغاز کیوں؟

تو فطری طور پر سوال ذہن میں آتا ہے کہ اس جلد میں اتنے اہم مباحث کے ہوتے ہوئے اس کا آغاز

اپنے خاندان کا صفایا کیا ہے اور یہ سارا جھگڑا اور فساد اسے پسند کی شادی کی اجازت نہ ملنے پر ہوا ہے۔ کیونکہ ڈولی عہد بھارتی نژاد دیویانی رانا نامی دوشیزہ سے عشق کے مرض میں مبتلا تھے اور ولی عہد کو شادی کی اجازت نہ دینے کی ایک وجہ وہی بادشاہوں کی انانیت 'غرور و نخوت' ضد اور عوام کو اپنے سے کم تر بلکہ حقیر سمجھنا ہے' اسی باعث ماضی میں انار کلی کنیز کو مغل بادشاہ نے دیوار میں چنوایا اور برطانوی شاہی خاندان نے اپنی بہو لیڈی ڈیانا کو ایک مصری مسلمان سے شادی کرنے سے روکنے کیلئے گاڑی کے ایکسیڈنٹ میں مروایا۔ اسی لئے انہی روایات کے پیش نظر نیپالی بادشاہ نے ولی عہد کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔

کہتے ہیں کہ عشق کا جذبہ جتنا دھیما ہوتا ہے ناموافق حالات اور مشکلات کی مسلسل آنچ سے یہ کبھی کبھار آتش فشاں پہاڑ کی مانند پھٹ بھی سکتا ہے۔ اور بالآخر اپنے ساتھ ہر شئے کو نیست و نابود کر دیتا ہے اور دیپندرا نے بھی یہی کیا۔ ؎ عشق آں شعلہ ست کہ چوں بر فروخت ہر کہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

پرانے واقعات میں "عشاق کی بہادری" وغیرہ کا جو ذکر ملتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کیلئے مرنے اور مارنے پر بھی تیار نظر آتے تھے اس کی ایک نظیر موجودہ زمانے میں ایک ریاست کے ولی عہد اور برطانیہ کے اعلیٰ ترین تعلیمی ادارے کے گریجویٹ عاشق نے بھی کر دکھائی۔ شاید غالب مرحوم نے ایسے ہی انتہا پسند عاشقوں کیلئے کہا تھا کہ ع کہتے ہیں جسے عشق خلل ہے دماغ کا۔ ولی عہد نے اپنے والدین اور خاندان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے ساتھ بادشاہت کا تاج جو اس سے کچھ فاصلے پر تھا اسے بھی برطانوی بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کی طرح عشق کی قربان گاہ پر چڑھا دیا۔ اور آخر میں فرہاد کی طرح تیشے سے اپنا سر بھی پھوڑ دیا۔ ؎

ترکِ مال و ترکِ جان و ترکِ سر در طریقِ عشق اول منزل است

اور دنیا و مافیہا کی تمام پونجی صرف ایک خواہش کیلئے لٹا دی اب اسے دیوانگی' جہالت اور درندگی کہیے یا وارفتگی' جانفروشی اور وفاشعاری کی انوکھی مثال۔ بہر حال عجائبات و حوادثات سے مرکب اس دنیا کا یہ بھی ایک عجیب و غریب دلخراش واقعہ ہے۔ اور اس سے سبق لینا چاہیے۔ الغرض بادشاہ واقعی مطلق العنان ہوتے ہیں اور جو جی میں آیا کر گزرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے' موجودہ بادشاہ بھی بہر حال آمر تھا اور اس کے آباؤ اجداد نے بھی ضرور مظالم ڈھائے ہوں گے کیونکہ بادشاہت کا قصر خون ناحق اور انسانوں کی لاشوں پر ہی کھڑے کئے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ قدرت نے ان سے انتقام لیا ہو اور شاید اسلئے ایک ہی وار میں شاہی خاندان کا صفایا ہو گیا اور ان کا اپنا ہی فرزند ان کیلئے باعث وبال ہوا۔

نہ جا اس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اسکی ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

ان فی ذالك لذكرى لمن كان له قلب اوالقى السمع وهو شهيد

ابواب الاطعمۃ سے کیوں فرمایا اسکا جواب یہ ہے کہ اس جلد کے اندر جتنے اہم مباحث ہیں انکا تعلق تشریعیات سے ہے۔ عبادات اور تفسیر ایسی چیزیں ہیں کہ خود عقل ان کی تشریع نہیں کر سکتی۔ لہٰذا شریعت نے ان امور میں ہماری راہنمائی کرنے کی تعیین شریعت کا اتنا جامع نظام ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں کوئی تفریق روا نہیں رکھتی تشریعی اور غیر تشریعی تمام امور کا استقصاء و احاطہ کرتی ہے۔ اور سب میں رہنمائی ضروری سمجھتی ہے۔

فطرت :

کھانا پینا فطری امور میں سے ہے فطری امر وہ ہوتا ہے جس میں کسی سے تعلیم، تعلم کی ضرورت نہ ہو۔ انسان پیدائشی طور پر کھانے پینے کا محتاج ہے کوئی نبی یا فلسفی کسی کو اس کی تعلیم دے یا نہ دے ہر حیوان کو جب اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو اس کی فطرت میں ڈال دیتا ہے کہ تیری بقاء کے لئے کھانا پینے کی ضرورت ہے کسی کالج اور یونیورسٹی میں کوئی حیوان اس کے بارے میں تعلیم حاصل نہیں کرتا۔ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینا شروع کر دیتا ہے۔ اس کو کس نے سمجھایا اللہ نے اس کی فطرت میں یہ بات ڈال دی۔ فطرة التی فطر الناس علیها. فطرت اس کو کہتے ہیں جس کیلئے تعلیم و تعلم کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے حدیث میں ہے عشر من الفطرة. حضورؐ ان فطری امور کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ سر کے بالوں کا کٹوانا یا منڈانا بغلیں صاف کرنا ناخن کاٹنا صاف کپڑے پہننا وغیرہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ فطری امور میں داخل ہیں۔ حیوانات کو بھی گندگی لگتی ہے تو اس کو صاف کرتے ہیں۔

تعلیم فطرت کا ایک نمونہ :

امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیوں کر پہچانا۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک بند قلعہ میں ایک جاندار شئی ہے وہ قلعہ سونے اور چاندی کے خول میں ہر طرف سے ایسا بند تھا کہ اس شئی کے ساتھ باہر سے کسی ذریعہ سے رابطہ ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ جاندار اس قلعہ سے جو نہی نکلا تو دیگر جاندار اشیاء کی طرح حرکات و سکنات شروع کر دیں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا معمہ ہے ؟ اس کی وضاحت فرمائیں' فرمایا کوئی معمہ نہیں یہ انڈا ہے اس سے بچہ (چوزا) نکلتا ہے انڈا کو ابال کر دیکھیں تو زردی اور سفیدی دونوں جدا جدا ہوں گے سب سے اوپر انڈے کا سخت خول اس کے نیچے باریک سفید جھلی پھر سفیدی پھر زردی۔ کئی بند قلعوں (خولوں) کے اندر اللہ بچہ پیدا کرتا ہے۔ چوزا نکلتے ہی دانہ چگنے لگتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں رب کو پہچان گیا کہ یہ چوزہ کہیں سے تعلیم حاصل کر کے تو نہیں آیا بلکہ یہ کسی بھی درس گاہ کے بس کی بات نہ تھی کہ اس چوزے کو دانہ چگنے کی تعلیم دیتا۔ یہ اس کی فطرت میں داخل تھا۔ خلق کل شیئی فهدی.

مرافق حیات :

قرآن مجید میں ہے اللہ جس شے کو پیدا فرماتا ہے تو مرافقِ حیات (جن امور کو اختیار کرنے کے اس شے کو زندگی بسر کرنا آسان ہو جائے) کی طرف ھدایت کر دیتے ہیں کہ تیری زندگی ان امور پر موقوف ہے۔

ہر حیوان کی پیدائش کے بعد کھانے پینے کے مختلف طریقے ہیں۔ ان کی مائیں ان کا بندوبست کرتی ہیں یہ سب فطری امور ہیں جن میں تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی تو امام ترمذی اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ بے شک کھانا پینا فطری امور میں سے ہے لیکن اسلام اتنا جامع مذہب ہے کہ انسان کو کسی بھی موڑ پر بے لگام نہیں چھوڑنا چاہتا۔ فطری امور میں بھی انسان کو تعلیم دینا چاہتا ہے۔ آزاد نہیں چھوڑتا۔ فطرت نہیں چھڑواتا' فطرت اپنی جگہ پر ہے لیکن اس میں راہنمائی کرتا ہے اگر ان فطری امور میں اسلام ہماری راہنمائی نہ فرماتا تو مادہ پرست قوموں اور ہمارے مابین کسی قسم کا فرق نہ ہوتا۔

اکل و شرب کے نظام کی اہمیت :

تو اگر معترض کہے کہ ابواب الاطعمۃ غیر اہم مباحث ہیں اسے ابواب التفسیر اور عبادات سے متعلق ابواب پر کیوں مقدم کیا۔ امام ترمذی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سب سے اہم بحث تو یہی ہے تمام خرابیوں کی جڑ ہی اکل و شرب ہے اگر کھانے پینے کے اس نظام کو درست نہ کیا گیا تو اس کے اثرات عقائد اور عبادات پر پڑیں گے ان کی تباہی کا ذریعہ بنیں گے تمام مادہ پرست قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ ان کے ہاں اکل و شرب میں آزادی ہے کیونکہ وہ اس کو ایک آزاد فطری معاملہ سمجھتے ہیں حالانکہ مدار تمام اعمال کا اسی کھانے پینے پر تھا لہذا ان کی فطرت مسخ ہو گئی کسی مذہب نے ان کی اس سلسلہ میں راہنمائی نہیں کی۔ کمیونزم' سوشلزم ہو یا کیپیٹلزم سب میں یہ مالی بحران اکل و شرب میں بے اعتدالیوں کی وجہ سے ہے۔ اقتصادی تباہیوں کی وجہ یہی ہے۔ حلال و حرام کی تمیز نہیں یلکن اسلام ہمارے تمام امور میں دخل اندازی کرتا ہے۔ کتنی خوراک کھائی جائے کن حدود کے تحت ہو کس طریقہ سے کھائی جائے۔ کماً اور کیفاً شریعت اس کی تعین کرتی ہے کونسی خوراک حلال ہے کون سی حرام' دیگر مذاہب میں حلال و حرام کا فلسفہ ہے ہی نہیں لیکن قرآن و حدیث کی تعلیمات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کچھ اشیاء حلال ہیں کچھ حرام ہیں بعض مکروہ اور بعض مشتبہات کے قبیل سے ہیں۔

فلسفہ حلال و حرام :

اسلام نے انسان کو بے لگام نہیں چھوڑا کہ بکری بھی کھائے اور خنزیر بھی' دودھ بھی پیئے اور شراب بھی۔ نوٹوں کی طباعت ایک قسم کی ہے مگر ان کمائے ہوئے نوٹوں میں بھی کچھ حرام اور کچھ حلال ہیں۔ حرام اسلیئے کہ سود کی رقم ہو گی یا چوری کی ڈاکہ وغیرہ کی بکریاں حلال ہیں ایک آدمی بکری ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتا ہے تو بکری حلال ہے لیکن دوسرا آدمی ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا بلکہ لات و منات یا کسی بزرگ کا

نام لیتا ہے تو ما اھل بہ لغیر اللہ میں یہ حلال جانور داخل ہو جائے گا تو ایک بکری حلال ہو گئی دوسری حرام حالانکہ بظاہر دونوں بکریاں ایک جیسی ہیں ایک ہی گوشت ہے تو یہ راہنمائی شریعت ہی کرتی ہے کوئی فلسفہ اور عقل ان دونوں بکریوں میں تمیز اور فرق نہیں کر سکتا کسی بھی لیبارٹری میں ان دونوں بکریوں کے گوشت کا معائنہ کیا جائے تو دونوں کا گوشت ایک ہی طرح کا ہو گا۔ لیبارٹری سے حلال و حرام کی رپورٹ نہیں ملے گی۔

حرام خوری کا عبادات پر اثر :

یہ حلال اور حرام اس لئے ضروری ہے کہ انسان کی نشوونما میں اور ساتھ ہی جسم کی بناوٹ اور تشکیل و تحلیل میں خوراک کا بنیادی اثر ہوتا ہے۔ خوراک سے انسان کا جسم بنتا ہے اور پھر اس کے اثرات اخلاق پر مرتب ہوتے ہیں۔ وہ اخلاق پھر صحیح عبادات و اعمال تک رسائی کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں۔ پس اگر اس نے خراب، ناجائز اور حرام خوراک کھائی تو اس کا جسم بالکل ناکارہ اور خراب بن گیا کیونکہ نجس اور خراب کے ذریعے اس کی تربیت اور افزائش کی گئی اس سے اب اخلاق قبیحہ اور رذیلہ اخلاق ظاہر ہوں گے۔ پھر جب اعمال بھی اس جسم کے ساتھ کرے گا یعنی عبادات کرے گا جیسا کہ نماز پڑھے گا، روزہ رکھے گا، حج اور زکوٰۃ ادا کرے گا اور جسم نجس ہوا تو اعمال بھی متاثر ہوں گے۔ اور جب اعمال متاثر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ اعمال مقبول نہ ٹھہرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس نے شراب پی لی تو چالیس دنوں تک اس کی صبح کی نماز قبول نہ ہو گی۔

صبح کی نماز تو بہت زیادہ اہم نماز ہے۔ پس جب وہ قبول نہ ہو گی تو باقی دیگر نمازیں بھی قبول نہ ہوں گی۔ یہاں علماً فرماتے ہیں کہ یہ خوراک گویا جسم کا حصہ لازمی ہوا۔ اس سے خون بنا گوشت بنا۔ اطباً کہتے ہیں کہ کسی بھی خوراک کے اثرات ۴۰ دنوں تک ہوتے ہیں۔ چالیس دنوں کے بعد گویا خوراک کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

اسلئے حضور اکرمؐ نے اربعین صباحاً فرمایا ہے دوسری جگہ فرمایا : لا یربوا لحماً نبت من سحتٍ الاکانت النار اولی بہ او کما قال علیہ السلام ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو گوشت حرام سے اُگ گیا تو وہ آگ سے جلایا جائے گا۔ خوراک کا بہت بڑا تعلق ہے۔ اس لئے اگر خوراک کی اصلاح نہ کی گئی تو جسم نجس اور ناپاک ہوا۔ تو اب جبکہ جسم نجس اور ناپاک ہوا تو اعتقادات، علم اور اخلاق سب پر وہ اثر انداز ہوتا ہے۔

غیر مسلموں میں حلال و حرام :

دیگر مذاہب نے بھی حلال اور حرام کا فلسفہ پیش کیا تھا۔ لیکن وہ مسخ ہو گئے محرف ہو گئے جو لوگ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں تو وہ بھی کچھ نہ کچھ تمیز کر لیتے ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ آسمانی کتابوں اور حضرات انبیاؑ کی تعلیمات ہیں لیکن علاوہ ان کے جو قومیں مذہب نہیں مانتیں دھری ہیں، مجوسی ہیں بے شمار دیگر اقوام جو کہ مذہب سے منکر ہیں جیسے کمیونسٹ چینی جو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کو نہیں مانتے

تو ان کے ہاں حلال اور حرام کا تصور نہیں۔ عقل کے ذریعے اس بات کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ حلال اور حرام کیوں ہے۔ خنزیر کا گوشت، بھیڑ کا گوشت ایک جیسا نظر آتا ہے۔ اگر بڑے بڑے عقلمند اور فلسفی بیٹھیں تو یہ کہ دیں گے کہ یہ تو بہت زیادہ مزیدار گوشت ہے اسے حرام کیوں کہدیں۔ بظاہر بکری کے گوست سے خنزیر کا گوشت زیادہ لذیذ ہے اور صاف ستھر اسفید۔ یورپ اور امریکہ میں گھومیں پھریں تمام دنیا میں جب پھریں گے تو دیکھیں گے کہ بہت سارے شیشوں میں سجا ہوا گوشت یہی ہوگا اور ایک آدمی اپنی بہن کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو یہ زنا ہے اور اگر کسی غیر عورت سے نکاح کرے گا تو یہ جائز ہے تو فرق کی یہ باتیں عقل کی وساطت سے سمجھ میں نہیں آسکتیں حالانکہ بہن کے ساتھ تو بڑی محبت ہوتی ہے پھر تو کہ اس کے ساتھ نکاح جائز ہو تا اس وجہ سے یہ چینی مجوسی وغیرہ ہر چیز کھاتے ہیں اور بعض کے وہاں نکاح کے سلسلے میں بہن اور ماں وغیرہ کا فرق بھی نہیں ہے۔

بندر آج بھی دنیا میں لوگ کھار ہے ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے ہوٹلوں میں بندر بڑے مہنگے داموں ملتے ہیں اور بہت ظالمانہ اور سفاکانہ انداز میں اس کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے دماغ کو اسی طرح کچا کھاتے ہیں اس لئے اسلام نے ہمیں بڑا واضح اور شفاف راستہ دکھایا اور حلال اور حرام اشیا کی تشریح بیان فرمائی اگر فطرت مسخ نہ ہو تو پھر حلال اور حرام اشیا کو انسان سمجھ سکتا ہے اور اگر فطرت مسخ ہو تو پھر حلال اور حرام اشیاء میں اشتباہ آتا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اشارہ ہے کہ الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات تو گویا اگر ایک آدمی نے احتیاط کی اور مشتبہات سے بھی اپنے آپ کو بچائے رکھا یعنی فمن اتقى الشبهات یا فمن اتقى المشتبهات فقد استبرألدينه۔

حرام کی اقسام:

اسی طرح بعض حرام لذاتہ ہیں اور بعض لغیرہ ہیں۔ دو قسم کی چیزیں ہیں ایک وہ جو حرام ہیں کہ ان کی ذات میں ایسی چیزیں ہیں جو دلالت کرتے ہیں ان کے حرام ہونے پر اور بعض ایسی حرام چیزیں ہیں جو کسی غیر کی وجہ سے حرام کی گئیں ہیں۔ اب کسی کی مرغی باہر نکل آئی اور تم نے اسے پکڑا اور ذبح کیا اور اسے کھایا تو اس میں جو حرمت ہے وہ لغیرہ ہے کیونکہ غیر کی ملکیت ہے یا حلال جانور ہے مگر رات دن ناپاکیاں کھا رہا ہے جلالہ ہے تو اگرچہ یہ جانور ذاتاً پاک بھی تھا مگر اس کے جسم میں نجاست اتنی داخل ہوئی کہ یہ نجاسات اس کے جسم کا جز بن گئیں۔ اس لئے اس میں ناپاکی اور حرمت غیر کی وجہ سے آئی ہے۔

حرام لذاتہ کی مختلف وجوہات ہیں بہت ساری وجوہات کی وجہ سے بعض حیوانات میں حرمت آئی ہے جیسا کہ بعض امتیں جو کہ باغی تھیں وہ ایسی تھیں جو ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتی تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کیا یعنی ان کے چہروں کو بگاڑ ڈالا اور انہیں بعض جانوروں کی شکل میں مسخ کیا تو یہ جانور اب ہمیں باقاعدہ انکی

بگڑی ہوئی شکلوں والی قوموں کی یاد دلاتے ہیں اللہ تعالیٰ جب بھی کسی قوم کو سزا دیتا ہے یا اسے مسخ کرتا ہے تو بری اور ذلیل شکل میں تبدیل کرتا ہے۔ کوئی بھی قوم کبوتر' مرغی' بھیڑ' بکری اور گائے کی شکل پر مسخ نہیں ہوئی۔ تو جن جانوروں کی شکل میں یہ قومیں مسخ ہو چکی ہیں تو یہ ایک نشانی ٹھہری کہ یہ قومیں جن جانوروں کی صورت پر مسخ کی گئیں وہ بھی لعنتی چیزیں ہیں۔ یعنی جعلنا فیهم القردة والخنا زیرو عبدالطاغوت یہ چیزیں غیر معزز چیزیں ہیں۔ اس لئے ملعون لوگوں کو ان کی شکل میں بدل دیا۔ خنزیر تمام اقوام کے لئے حرام تھا۔ لیکن اہل کتاب نے اس میں تحریف کر ڈالی اور یہ کہا کہ خنزیر حلال ہے تو اب خنزیر نے کیا جرم و گناہ کیا ہے اس لئے کہ یہ ایک مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کی لیکن حضرت عیسیٰؑ جب دوبارہ تشریف لائیں گے تو جگہ جگہ یہ فرمایا ہے کہ یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر توصلیب کا توڑنا اور خنزیر کو قتل کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ میرے امتی غلط راستے پر گمراہی پر چل پڑے تھے۔ حضرت عیسیٰ خدا نہ تھے' اور عیسائیوں نے جھوٹ بولا ہے حضرت عیسیٰؑ نہ تو خدا تھے اور نہ آپؑ کو پھانسی دی گئی ہے بلکہ آپؑ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے اور آپؑ آسمان کی طرف اٹھائے گئے تو ان لوگوں نے اپنے مذہب کا جو شعار بنایا تھا یعنی صلیب تو وہ توڑ دیں گے اس سے ان کی تذلیل مراد ہوگی۔ اور خنزیر اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تھی مگر اسے قتل کیا گیا اور اعلان فرمایا: کہ تم لوگوں نے دین میں تحریف کی ہے اور کتب سماویہ (آسمانی کتابوں) میں کسی بھی جگہ خنزیر کی خوراک کا حکم نہ تھا اس سے بھی ان کی تغلیط و تذلیل مقصود ہوگی کہ تم نے غلط کام کیا تو بعض اشیا ایسی ہیں جن کو کوئی بھی نہیں کھاتا تھا تو ان کی حرمت کے ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی جیسا کہ سانپ اور بچھو کہ جن کو کھانے کی عادت لوگوں میں نہ تھی اسی طرح بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں ان میں اخلاقی نقصانات ہیں ان کے اخلاق انتہائی قبیح اور برے ہیں تو اگر انکو آپ نے کھایا تو ان کے برے اخلاق بھی آپ میں سرایت کر جائیں گے۔ مثلاً خنزیر جس میں ایسی بد خوئی ہے جو کسی بے غیرت سے بے غیرت جانور اور دیگر مخلوق میں نہیں ہے۔

حرام کھانے سے اخلاق پر اثر:

ایک آدمی کی بیوی ہے اسے کوئی بھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا مرد تو مرد ہے بلکہ تمام حیوانات میں یہ اصول ہے کہ نر اور مادہ جب آپس میں مل جائیں اب جبکہ ایک مادہ نر کے ساتھ مل گئی تو وہ مادہ اس کے بعد کسی دوسرے حیوان کو اپنے قریب بالکل نہیں چھوڑے گی یہ تو انسان ہیں کہ سب سے زیادہ خراب ہیں کہ شہوتوں میں ڈوب گئے ہیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مادہ جانور ایک وقت میں دوسرے نر کے ساتھ بالکل اتصال نہیں کرتا مگر خنزیر ایسا ہے کہ بہت سارے خنزیر بیک وقت ایک ہی خنزیر مادہ پر چڑھتے ہیں تو اشتراک فی الوطی کسی دوسرے حیوان میں نہیں بغیر خنزیر کے۔ اتنے قبیح اور نجس اخلاق ہیں۔ شریعت کی روکتی ہے کہ اس کی

خوراک کے باعث کہیں یہ اخلاق انسان میں سرایت نہ کر جائیں تو جب یہودیوں اور عیسائیوں نے خنزیر کو کھانا شروع کیا تو وہ اخلاق ان میں بھی داخل ہو گئے ۔لتتبعن سنن من قبلکم فدوا لنعل بالنعل ولو دخلوا حجر ضب لا لتبعتموہ (الحدیث) رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ تم بھی ان لوگوں کی عادتیں لوگے۔ یہاں تک کہ سڑک کے کنارے اگر وہ زنا کریں گے تو تم بھی اس جیسے کام شروع کرلو گے۔ اگر وہ گوہ سے سوراخ میں گھسنے لگیں تو تم بھی ان کی پیروی میں ایسا کرنے لگ جاؤ گے۔ یعنی ان کی تہذیب تم اپنالو گے' اسی طرح یہ بندر جو ہے قردہ یہ بھی بڑی گندی چیز ہے یہ عمل سوائے بندر کے کسی دیگر حیوانات میں بالکل نہیں ہے کہ نر نر کے ساتھ بد فعلی کا ارتکاب کرے ہم جنسیت اسی طرح گدھا ہے وہ بھی جہالت اور نادانی کا ایک مجسمہ ہے کہ لوگ نادان آدمی کو گدھا کہتے ہیں۔ تو اب گدھے کو کیوں حرام ٹھہرایا گیا اس میں بہت سی اچھی باتیں بھی ہیں لیکن ایک بات یہ ہے کہ وہ جاہل ہے احمق ہے۔ شیطانی مخلوق کے ساتھ زیادہ موانست ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب گدھا شیطان دیکھ لیتا ہے تو یہ آوازیں نکالنا شروع کر دیتا ہے وینھق الشیطان گویا شیطان اسے القاء کرتا ہے اسے وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم ڈھینچوں ڈھینچوں کرو(ان انکر الاصوات لصوت الحمیر) اس طرح کے حیوانوں میں اخلاقی قبائح اور برائیوں کے باعث ان کی حرمت ضروری تھی۔

درندگی اور سبعیت بھی وجہ حرمت ہے :

اسی طرح تمام درندوں کا حکم ہے۔ یہ تمام درندے حرام ہیں درندہ کس حیوان کو کہا جاتا ہے کس حیوان کو سبع کہا جاتا ہے سبوعیت درندگی کو کہتے ہیں ظلم وزیادتی کے ساتھ دوسرے زندہ حیوان کو پکڑنا اسے چیرنا پھاڑنا اور پھر اسے کھانا اور سباع پرندوں حیوانات دونوں میں ہے۔ تو سبع کس کو کہا جاتا ہے ؟ کہ جس میں وہ فطری خباثت ظلم کی موجود ہوں اور کمزور مخلوق پر جھپٹنا اور اسے مار ڈالنا اس کی فطرت ہو' صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ السبع کل مختطف ٍضبعاً اختطاف جھپٹنے کو کہا جاتا ہے۔ تو ایسے جانور طبعاً حملہ آور ہوتے ہیں اچانک انیاب یا مخلب کے ساتھ حملہ کرتے ہیں۔

بعض درندے پنجوں (غالب) کے ساتھ حملہ کرتے ہیں جیسے شیر وغیرہ۔ اسی طرح کوا ہے' باز ہے یہ آلہ قتل ہے اس کے ذریعے' ...تا ہے اور ختم کرتا ہے اور بعض جانوروں کو ایسے چونچ دیئے گئے ہیں کہ جو چھریوں کا کام کرتے ہیں اسی طرح بعض درندے انیاب کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حلال جانوروں کو انیاب نہیں دیئے ہیں

حفاظت کے آلات خلقی ہیں :

اگرچہ اپنی جان اور جسم کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو دوہری چیز بخشی ہے جیسے سینگ وغیرہ

مگر انیاب نہیں دیئے اس وجہ سے بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی جانور کو دو چیزیں نہیں دی ہیں کہ انیاب بھی ہوں اور سینگ بھی ہوں۔

انسان کی بربریت :

ایک تو تعلیم اور تعلّم کے ذریعے آپ ایک مرغی کو بھی بدمست کر سکتے ہیں جیسا کہ مرغیوں پر جنگیں کرائی جاتی ہیں اور مقابلے کئے جاتے ہیں وہ ایک دوسرے کو مفلوج اور اپاہج بناتے ہیں یہ تو انسان ایک بڑا ظالم ہے اس نے ان کو جنگوں کا عادی بنایا بھیڑوں کی جنگیں بھی ہوتی ہیں بیلوں کی جنگیں بھی ہوتی ہیں ان میں یہ ظلم انسان نے ڈالا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو فطرتاً ایسا نہیں بنایا ہے۔ تو اب جن حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے سباع پیدا فرمایا ہے۔ وہ سب کے سب حرام ہیں کس لئے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم درندہ مت بنو۔ ظلم مت کرو ... آدمی کو قتل نہ کرو۔ اور اسے کھاؤ بھی مت۔ چاقو سے اسے نہ مارو تو اگر ان درندہ حیوانوں کو تم کھاؤ گے تو یہ عادات تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائیں گی جیسا کہ چھپکلی اور مینڈک جو ہے تو یہ بھی مختلف ہیں۔ اور زہریلی چیزیں کھاتے ہیں یہ تو یہ بھی زہر یلے بن جاتے ہیں۔ اور زہر سے بھر جاتے ہیں تو ان کے حرام ٹھہرانے کا فلسفہ یہ ہے کہ ان حیوانات کی بری عادتیں انسان میں نہ آجائیں اگر انسان اسے کھائے تو یہ بھی مختلف بن جاتا ہے بعض لوگ جنگلوں میں شیروں کے ساتھ رہتے ہیں تو وہ بھی اس طرح سنگدل اور وحشی بن جاتے ہیں۔ بہر حال ایک وجہ یہ بھی ہے اور دوسری علت یہ ہے کہ ان کی جبلت موذی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی جبلت میں ایذار کھی ہے۔

ایذارسانی کی وجہ حرمت :

بعض چیزیں فطرتاً موذی ہیں انسان کیلئے جیسا کہ سانپ اور بچھو ان میں فطرتاً ایذارسانی موجود ہے۔ یہ انسان کے دشمن ہیں تو اسلام نے ہمیں حکم دیا کہ اقتلوا الموذی قبل الایذا کہ اگر تم نے ان کو مہلت دی کہیں تجھے ایذا بھی نہ دے تو پھر ان کو مار ڈال اور فویسقة چوہے کو کہتے ہیں تو اب چوہے کی خباثت کو دیکھئے کہ اس کا کھانا پینا سب کچھ موجود ہے لیکن پھر بھی آپ کی کتاب کو پھاڑتا ہے کپڑا خراب کرتا ہے صندوق خراب کرتا ہے فان الفویسقه تضرم علی الناس بیوتھم ۔ اس لئے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ تم جب رات کو سوتے ہو تو دیا بجھاؤ۔ اس لئے کہ یہ فویسقہ تم کو جلائے گا بتی چراغ سے کھینچ لے گا گویا ان چیزوں کی فطرت میں ایذا ہے تو اسلام نے حکم دیا کہ انسان موذی اشیاء سے جان بچائے۔

نجاست و حقارت بھی وجہ حرمت :

دوسری ایسی چیزیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حقیر چیز بنائی ہے۔ تذلیل اور حقارت کے مظہر ہیں۔ وہ معزز چیزیں نہیں ہے اس لئے کہ نالیوں گٹروں میں چلتی پھرتی اور رینگتی ہیں اور بلوں میں سارے حشرات الارض اور

کیڑے مکوڑے ہیں، مچھر، چیونٹی، وغیرہ تو ان چیزوں میں سبعیت اور درندگی تو نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے تحقیر کی ہے ان چیزوں کی تو فرمایا ہے کہ ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ ایک قسم جانوروں کی ایسی ہے جو ہر وقت نجاستوں کو کھاتی ہے کہ ان کے جسموں سے بھی بدبو آتی ہے آدمی ان کے نزدیک نہیں بیٹھ سکتا جیسا کہ گدھا ہے اس کا شیطان کے ساتھ بہت بڑی موانست ہے۔ خوراک میں جب پلیدیاں ہوئی تو وہ اگر بذات خود پاک بھی ہوں تو بھی حرام بن جاتی ہیں اس طرح بہت ساری دیگر چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حرمت میں لاتعداد حکمتیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ والخیل والبغال والحمیر الخ تو ان کی تخلیق سواری کے لئے ہے اور زینت کیلئے۔ یہ تو ظاہری خوبی ہے بہت ساری معنوی خوبیاں بھی ہیں۔ ان کو کھانے پینے سے ان کا مقصد تخلیق کو نقصان ہوگا۔

ما اہل بہ لغیر اللہ بھی وجہ حرمت :

اسی طرح کوئی حلال چیز بھی ہو مگر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جیسا وما اھلبه لغير الله اسلئے قرآن فرماتا ہے کہ شرک کی جڑیں ختم کر دی جائیں تو اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہے وہ کتابی ہے تو ان کا ذبیحہ حلال ہے اور اہل کتاب کا ذبیحہ اسلئے حلال ہے کہ وہ اپنے آپ کو موحد کہتا ہے تو شرک کا قطع کرنا مقصود ہے اب اگر کسی نے حضرت پیربابا اور کاکا صاحبؒ اور کسی فلاں فلاں کے نام پر جانور کو ذبح کیا تو اس آدمی نے شرک کیا تو دنبے اور بکری کا اس میں گناہ کیا ہے ؟ تو بات یہ ہے کہ قبیح فعل کا اثر مفعول پر بھی ہوتا ہے تو ذبیحہ جو شرک کا ہے اسلئے دونوں یعنی جسے ذبح کیا گیا ہے اسمیں بھی نجاست داخل ہوئی وہ ملعون چیز ہے قباحت ذابح سے مذبوح میں بھی آئی۔ اسلئے کہ غیر اللہ کا نام لیا گیا خیرات اور زکوٰۃ ایک آدمی دیتا ہے تو زکوٰۃ تزکیہ ہے مال کا میل سے تو جب میل نکل جاتا ہے تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے اور اگر آپ نے برتن کو نہیں دھویا ہو بلکہ برتن میں یہ کپڑے دھوئے ہیں وہ میل سے بھرا ہوا ہو تو اس میں کپڑے پاک نہیں ہونگے بلکہ اور بھی میلے ہو جائیں گے اسلئے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں انما ھی اوساخ الناس تو زکوٰۃ دنیا اگرچہ نیکی کا کام ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ اور اہل بیت پر حرام فرمایا ہے اسلئے کہ یہ میل کچیل ہے اور میل کچیل کا ہضم کرنا بہت مشکل ہے اسلئے تو ہمارے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ طلبہ کرام کو تاکید سے فرماتے تھے کہ یہ اوساخ الناس ہیں اسلئے کہ حضور کریم ﷺ نے اپنے آپ اور اپنے اہل بیت پر اس کا کھانا حرام قرار دیا ہے اور مولوی اور طالب غریب کی خوراک بس یہی ہے تو وہ فرماتے تھے کہ طالب علم تب ان کا نقصانات سے بچ سکے گا جب وہ تحصیل علم میں بہت زیادہ محنت کرے گا۔ تب اسے ہضم ہوگا۔

شاہ ولی اللہ کی دوراندیشی :

شاہ ولی اللہؒ نے حلال و حرام کے اسرار اور رموز پر بہت ساری بحثیں فرمائی ہیں حجۃ اللہ البالغہ ان باتوں کا

عظیم ذخیرہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ فانه لایفرق بین الحلال والحرام فی بادی الرأی الا بتصریح ذکر الله تعالیٰ ہمیں کیا معلوم کہ یہ شخص یہ ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہا ہے یا حضرت پیر بابا اور کاکا صاحبؒ کیلئے کریا کہ بت کیلئے کر رہا ہے تو اس کا اظہار ضروری ہوا۔ کہ گویا اللہ تعالیٰ کا نام اس پر لیا گیا تو معلوم ہوا کہ مذبوحہ حلال ہوا اور جب اللہ کا نام نہ لیا تو بات مشکوک ہوئی۔

ذبیحہ پر اللہ کا نام لینے کی حکمتیں :

اس لئے ہمارے نزدیک یہ واجب ہے۔ فرق متحقق کرنا ضروری ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :لیذکرو اسم الله علی مارزقهم من بهیمة الانعام (الایة) دوسری حکمت اللہ تعالیٰ کے نام گرامی کے لینے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حیوانات ہمارے لئے مسخر فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ نے نام کے اظہار سے عملاً اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا ہو جائے گا جیسا کہ اونٹ ہے 'بیل ہے 'انہیں کون قابو کر سکتا ہے تو مضبوط سے مضبوط حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر فرمائے ہیں۔ تسخیر 'تسلط اور قبضہ یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان جیسی کمزور مخلوق کو دی ہے۔ جیسا کہ اونٹ ہو 'ہاتھی وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے انسان کے قبضے میں کر دیئے ہیں تو اللہ تعالیٰ جب تیرے قبضے میں ان کو لایا تو انسان پر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری لازمی ہوئی۔

گویا یہ حمد و تعریف ہے اللہ تعالیٰ کی اور حمد کہا جاتا ہے اعتراف کو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ اور ان کا اعتراف قلبی ہو یا قولی ہو یا قالبی ہو گا یا عملاً ہو گا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب قربانی فرمارہے تھے تو اعتراف عملاً فرمارہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ یہ ہم آپ کے لئے کر رہے ہیں ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لاشریك له بذلك امرت وانا اول المسلمین (الایة) تو حقیقت ابراہیمی تمام تر اعتراف اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور قربانی کا مقصد بھی یہ ہے کہ تم یہ اعلان کرو کہ میں نے اے اللہ تعالیٰ ہر چیز تجھے سپرد کر دی ہے۔

ذبح میں جسم کے ساتھ روح کی بھی قربانی :

ذبح کا معنی کہ انفصال روح ہے مذبوح کا یعنی اذھاب الروح وانفصال الروح تو گویا تم اس بات کا اظہار کر رہے ہو کہ اے اللہ تعالیٰ میں یہ انفصال روح تیری رضا کے لئے کر رہا ہوں تو جسم یہاں رہ گیا اور روح چلی گئی۔ عالم ارواح کو ارواح تمام عالم ارواح میں جمع ہوتی ہیں تو تم نے قربانی میں اللہ اکبر کہہ دیا تو تم نے اپنی طرف سے اعلان کیا کہ میں نے صرف اجسام کی قربانی نہیں کی بلکہ ارواح کی بھی قربانی کر ڈالی۔ تو نام لینے کا فائدہ یہ نکلا

عالم ارواح وعالم اجسام

ایک باریک بات شاہ ولی اللہؒ نے لکھی ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عالم مجرد جو ہے

امور مجردہ جو ہیں۔

عالم کی تقسیم :

عالم ارواح یہ تمام امور مجردہ ہیں ایک عالم اجسام ہے اور ایک عالم ارواح ہے تو روح قل الروح من امر ربی ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ ہر روح کہتا ہے کہ میں بھی مجرد ہو گیا۔ مجھ میں الوہیت جیسی شئے آئی یا الوہیت کے ساتھ مشابہ ہوا ہر روح چاہتی ہوگی کہ میری بھی بندگی ہو جائے گویا روح میں ایسی عادت آئی تو اب جو ذبح کرتا ہے کسی چیز کا تو وہ روح یہ کہتی ہے کہ یہ قربانی تیرے لئے ہے وہ خوش ہوتی ہے غلط طریقے پر یا جائز طریقے پر یا تشبیہ آجائے تو یہ شرک امور مجردہ میں ہے اور اگر معبودیت کا تصور بھی کچھ ہو تو پھر ذابح اور مذبوح کی روح مشرک ہوئی تو بسم اللہ اللہ اکبر اس لئے کہہ دیا کہ اے روح تو خوش نہ ہو یہ قربانی میں نے اللہ تعالیٰ کیلئے کرلی ہے تو عالم ارواح میں ہو کسی بھی جگہ ہو لیکن تو معبودیت کی قابل نہیں۔ (اتنی تفصیل میں نے پچھلے دیگر سالوں میں نہیں کی ہے) یہ میں نے تمہارے سامنے پہلی دفعہ کردی ہے تو اسے بھی غیر ضروری مت سمجھیں۔

مردار جانور کا حکم :

ضروری باتیں تو پوری ہوئیں لیکن کچھ ابھی باقی ہیں۔ اصولی طور پر حلال اور حرام میں یہ ہے جانور اگرچہ حلال بھی ہے لیکن جب اپنی موت مرا تو مردار ہوا یعنی ایک جانور جو اپنی موت مرے یا کسی حادثے کی وجہ سے مرجائے تو اگر ذبح نہ ہو جائے تو اسے بھی ہم حرام کہیں گے۔ اس کی حرمت بھی بالاتفاق ہے جو مہذب اقوام ہیں وہ یہ کہتی ہیں کہ جو جانور اپنی طبعی موت مرے تو وہ زہریلا ہو جاتا ہے اور زہر نے اسمیں سرایت کی اور زہر سے تو ہر کوئی اپنے آپ کو بچاتا ہے پھر اس میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ایک مقصد کے لئے یہ حلال ہوا ہے جیسا کہ کھانے پینے کے لئے لوگ اس کو ذبح کرتے ہیں تو جو اپنی موت مرجائے تو وہ خوراک کے لئے ذبح نہیں کی گئی جیسا کہ موقوذة نطيحة اور اس طرح بہت ساری اصطلاحات قرآن میں ذکر کی گئی ہیں۔ تو گویا خوراک کے لئے ذبح نہیں کیا گیا تو یہ بھی حرام ہوا۔ اسلام کہتا ہے کہ اس جانور کی موت ایک خاص طریقے پر آئے تب حلال ہے اور وہ خاص طریقہ ہوگا۔

نحر وذبح کا طریقہ وحکم :

ذبح اور نحر دو صورتیں ہیں فصل للربك وانحر اور ذبح کی تفصیلات بھی قرآن کریم میں موجود ہیں تو سنت ابراہیمی علیہ السلام جو رواں دواں ہے تو اس میں بھی یہ حکم ہے کہ ہر حیوان جسے تو ذبح کرنے سے مارتا ہے یا نحر سے وہ حلال ہے ورنہ نہیں بعض قوموں میں بہت سے غلط طریقے رائج اور مستعمل ہیں۔

پارسیوں میں ذبح کا طریقہ :

پارسیوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ اس کا سینہ پھاڑ کر اس کا دل نکالتے تھے اور اسے زور دے دے کر دباتے تھے اس طرح اسے ہلاک کرتے تھے اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی ہے بعض قومیں ایسی ہیں کہ صرف پیٹ چاک کرتے ہیں تو ان طریقوں سے وہ حلال نہیں ہوتا نہ ذبح ہوتا ہے ۔

اسلام میں حیوانات کے حقوق کا تحفظ 'مذبوحہ کو راحت :

اسلام میں یہ طریقہ ہے کہ مذبوحہ کو اس میں راحت بھی ہو۔ اسلام نے حیوانات کے حقوق کا بھی تحفظ کیا ہے رسول اللہ ﷺ جو کہ رحمۃ للعالمین بھی ہیں تو اس کا معنی کہ وہ تمام عالمین اور مخلوقات کے لئے رحمت ہیں تو حیوانات کے ذبح کرنے کے طریقے بھی اسلام نے بیان فرمائے ہیں بہت باریک باریک چیزیں ہیں جیسے کہ چھری خوب تیز کریں ایک حیوان کو دوسرے حیوانات کے سامنے ذبح نہ کریں اور اس طرح تیز چیز کے ساتھ ذبح کریں کہ اسکی تکلیف کم ہو جائے اور جلدی سے اس سے روح نکل جائے۔ اسے نشانہ بازی کے لئے (مجسمہ) استعمال نہ کریں اتنی حد تک کہ بے مقصد اس پر سواری بھی نہ کریں اور منبر اور سٹیج بھی اس سے نہ بنائیں اور رگوں کے صحیح طور پر کاٹنے کا حکم ہے۔ اسلام نے کہا ایک تو اس طریقے سے روح جلدی نکلتی ہے

دم مسفوح کا حکم :

دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس میں دم مسفوح ہوتا ہے اور دم سفوح ناپاک ہے۔ اس پر بھی ساری قوموں کا اتفاق ہے کہ خون نجاستوں میں سے ہے۔ اور خون کے کھانے پینے سے بڑی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ تو اگر ہندو ہو یا مسلمان سکھ ہو لیکن اگر اس کے کپڑے خون سے آلودہ ہو جائیں تو فوراً اسے دھو ڈالتا ہے۔ تطھیر اللحم اسلام ذبح کے ساتھ کرتا ہے۔ سارے گوشت سے وہ دم سفوح نکل جاتا ہے اور اگر حلال نہ ہوا یا ناقص طریقے سے ذبح کیا گیا تو خون تو باقی رہ جائے گا اور جب خون باقی رہ جائے یہ تو بات تسلیم شدہ باتوں میں سے ہے کہ خون بڑی ناقص اور گندی چیز ہے آج کل تو بہت زیادہ گندی چیزیں آتی ہیں

فارمی مرغی کا حکم :

جیسا کہ یہ فارمی مرغیاں کہ ان کی اکثر خوراک یہ خون ہے۔ تو ان کا ذائقہ بھی نہیں ہوتا۔ بالکل مزہ نہیں دیتیں یہ دوسری بات ہے کہ اس خون کی ہیئت ماہیت تبدیل شدہ ہے لیکن طبیعت اسے نہیں مانتی کیونکہ یہ تمام گندی چیزیں جمع کرتے ہیں جیسا کہ خون ہڈی وغیرہ تو خون بذات خود انتہائی ضرر کی چیز ہے تو اسلام کہتا ہے کہ گلا گھوٹنے سے یا پیٹ چاک کرنے سے تطھیر اللحم نہیں ہوتا رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ناقص ذبح شریطہ الشیاطین ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ وہ شیطان کا جال (دام) ہے۔ تو پہلے سے ذبح کی تفصیلات بتلا دیں کہ ذبح نہ ہو تو وہ حرام بن جاتا ہے۔ اس طریقے سے نحر ہے وہ تکلیف نہیں دینی چاہیے تو اونٹ کا ذبح کرنا اتنا آسان

نہیں تو وہ کھڑے کھڑے ذبح کیا جاتا ہے۔

یہ کچھ مختصر سطحی تفصیل تھی ذبح کی' شارع نے طریقہ بتلاتے کچھ قاعدے اور اصول ہیں اور اسلام نے جو طریقے متعین فرمائے ہیں وہ کسی دوسرے میں مذہب میں نہیں ہیں۔

بیرون ملک کھانوں میں حزم واحتیاط کی ضرورت

مثلاً خنزیر کا گوشت ہے دیکھنے میں بڑا اعلیٰ معلوم ہوتا ہے۔ مرغ کے گوشت سے بھی اچھا اور بڑھیا لگتا ہے۔

ہم نے کولمبو میں ایک اسلامی کانفرنس میں شرکت کی ایک بڑے عالم اور مفتی بھی ہمارے ساتھ تھے۔ وہاں تو پاک پلید کی تمیز نہیں ہوتی ہر قسم کے کھانے موجود ہوتے ہیں۔ پاک اور پلید کو دلائل سے آپ نہیں سمجھا سکتے وہ لوگ آپ کو پاگل سمجھیں گے تو ہم ہر چیز کو غور کیساتھ دیکھتے تھے تاکہ حرام سے بچ جائیں بعض کھانوں کے ساتھ نام لکھے ہوتے ہیں اسلئے خوب چھان بین کرتے۔ تو اس عالم نے مجھ سے کہا کہ میں اتنا کچھ نہیں جانتا صرف یہ سفید قسم کا گوشت جو ہے یہی کھاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ تو اب تک خنزیر کھاتے رہے وہ بے چارہ بڑا پریشان ہوا۔ تو بڑے سے بڑا عالم جس کو معلوم نہ ہو تو اسے کھائے گا اگرچہ عند اللہ لاعلمی کا عذر مقبول ہے۔

چین کے بازاروں میں بھی یہ سب گندی اور حرام چیزیں بکتی ہیں جس طرح ہمارے ہاں بازاروں میں مرغے اور بٹیر اور بکریاں وغیرہ بکتی ہیں اس طرح ان کے بازاروں میں سانپ اور اژدھے بکتے ہوئے دیکھے۔ بلکہ سانپوں کی الگ مارکیٹ ہوتی ہے وہاں جاکر اپنی پسند کا اژدھا خریدتے ہیں۔ جس طرح ہم ایک مرغی پسند کر کے خریدتے ہیں۔ سانپ کو مچھلی کی طرح صاف کر کے اس کی بوٹیاں بنائی جاتی ہیں یہ اس لئے کہ ان کے مذہب میں حلال و حرام کو سمجھنے کا کوئی تصور اور فلسفہ نہیں نہ کوئی ایسی تشریع ہے کہ حلال و حرام متعین ہو جائے۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ الحلال بین والحرام بین وما بینهما مشتبهات اور فرمایا' یحرم علیهم الخبائث انبیاء کرام اسی لئے تشریف لاتے ہیں کہ گندی اور پلید اشیا کی حرمت بیان کردیں۔

کھانے میں بے اعتدالی کے نقصانات :

اسلام نے یہ بھی بتادیا کہ مقصد حیات صرف کھانا پینا نہیں یہ تو بقاءِ زندگی کا ایک ذریعہ ہے اسلام اس میں اعتدال کی تلقین کرتا ہے کہ کم کھاؤ اگر زیادہ کھایا تو صحت تباہ ہو جائے گی اور ہزاروں قسم کی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی آج تمام امراض کا علاج ڈاکٹر حضرات اولاً قلتِ طعام (ڈائٹنگ) سے کرتے ہیں کہ کم کھاؤ۔ روغن کا استعمال کم کردو۔ گویا تقلیل طعام تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ بلڈ پریشر ہو شوگر ہو یا دل کی بیماریاں ہوں سب خوراک کی بے اعتدالی کی وجہ سے ہیں لوگ صرف کھاتے پیتے ہیں بڑی بڑی توندیں ہیں گردنیں موٹی ہو گئیں ہم نے مقصد حیات صرف کھانے پینے کو سمجھ رکھا ہے۔ نئی تہذیب والوں کا یہی رویہ ہے۔ حضور کے فرمانے میں

غالباً روم کے کچھ اطباً اور حکماً مدینہ آئے کہ صحابہ کا علاج معالج کرتے رہیں ایک (delegation) ڈیلی گیشن تھا اس نے کافی دن گزارے مگر کوئی خاص بیماری نہ دیکھی اس کا تجزیہ کیا غور کیا تو دیکھا کہ یہ تو سب ٹھیک ٹھاک ہیں کسی قسم کی خاص بیماری ان کو نہیں لگتی تو وجہ معلوم ہوئی کہ یہاں لوگ کھانا کم کھاتے ہیں صحابہ کرام کم خوراک استعمال کرتے تھے بعض ادوار تنگی اور سختیوں کے بھی تھے خاص کر جب جہاد کے لئے نکلتے تھے خشک کھجوروں اور پانی سے گزارا کرتے۔

حضورؐ اور صحابہ کرام کے سادہ کھانے :

خود حضورؐ کے گھر میں کئی کئی مہینے ہانڈی نہیں پکتی تھی آگ نہیں جلتی تھی۔ الا الماً والتمر پانی اور کھجور سے بسر اوقات کر لیتے تھے۔ تو صحابہ کرامؓ مٹھی بھر جو اور کھجور کھاتے اور مشقت کا کام زیادہ کرتے تھے۔ تو وہ اطباء واپس چلے گئے کہ ان کو توان کے نبیؐ نے تعلیم ہی ایسی دی ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے جس کی وجہ سے بیماری ان کے قریب نہیں آتی۔ المومن یاکل فی معا واحدو الکافریا کل فی سبع امعاء۔ مومن ایک آنت کے برابر کھاتا ہے اور کافر سات آنتیں بھرتا ہے۔

پیٹ کی حکمرانی :

آج لوگ لاکھوں کروڑوں روپے جمع کر رہے ہیں اسی پیٹ کی خاطر کہ کہیں فاقوں سے نہ مر جائیں۔ ایک عالم نے فرمایا کہ پوری کائنات کو ایک بالشت پیٹ نے لپیٹ رکھا ہے۔ جتنے غلط ازم بنے ہیں اسی پیٹ کی خاطر ہیں۔ حالانکہ فرمایا: وما خلقت الجن والانس الالیبعبدون ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھوالرزاق ذوالقوۃ المتین۔ (الایۃ)

ترجمہ : اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا کہ میری عبادت کیا کریں میں ان سے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے اور نہایت ہی قوت والا ہے۔

وکاین من دابۃ فی الارض الا تحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم وھو السمیع العلیم۔ (الایۃ)

اسلام میں مادہ پرستی اور معدہ پرستی کی گنجائش نہیں :

یہ تمام حیوانات نہ کارخانے بناتے ہیں نہ بنک بیلنس بلکہ ان سب کو اللہ رزق دے رہے ہیں تو رزق ثانوی مسئلہ ہے اولاً عظیم مقصد اس کی عبادت ہے اسلام میں مادہ پرستی اور معدہ پرستی کی نفی ہے کافر تو یاکلون کماتا کل الانعام۔ حیوانات کی طرح کھاتے ہیں۔ جس طرح حیوانات کا کام کھانا پینا اور گوبر کرنا ہے بالکل اسی طرح کفار کی حالت ہے' ویتمتعون اور چند دن کے لئے دنیاوی نفع سے لطف اندوز ہونا ہے۔

متکبرانہ انداز سے کھانے پینے کی مذمت :

اس طرح حضورؐ نے کھانے کے طور طریقے بھی بتلادیئے کہ تکبر کے انداز میں کھانے سے پرہیز کرو تکبر کے طریقے سے کھانا پینا ترک کردو مثلاً لیٹ کر کھانا یا گاؤ تکیہ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھانا غرض ہر وہ طریقہ جس کے اندر تکبر ہو اس کی نفی فرمادی۔ اور ان صورتوں سے بھی منع کردیا جن کی وجہ سے پیٹ میں کھانا زیادہ چلا جائے کھاتے وقت بیٹھنے کی مسنون شکلیں ہیں کوئی ایسی شکل اختیار نہ کرے کہ خوراک زیادہ اندر چلی جائے مثلاً آلتی پالتی مار کر (چہار زانوں) بیٹھنا یا خوراک سے پلیٹ بھر کر ٹہلتے ہوئے کھانا جیسے کہ آج کل ہوتا ہے یہ بے ادبی اور تکبر کا انداز ہے نیز کھڑے ہو کر کھانے میں آنتیں بالکل کھلی رہتی ہیں تو خوراک زیادہ اندر چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔

کھانے میں تواضع اور انکسار :

تو اسلام ہماری صحتوں کا بھی خیال رکھتا ہے دنیوی اور اخروی فوائد کا لحاظ رکھتا ہے بلا ضرورت کھڑے ہو کر پانی پینے کی بھی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ انما انا عبد اکل کما یاکل العبد رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تو ایک بندہ ہوں جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے اس طرح کھاؤں گا۔ غلام اور نوکر خود کو عاجز سمجھتا ہے۔ مالک کے ساتھ نہیں بیٹھتا آقا کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے اس پر بہت شکر گزار ہوتا ہے ایسی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے کہ پتہ چلتا ہے کہ مالک کا بڑا احسان مند ہے۔ سارے طریقے شکر گزاری کے اختیار کرنے کی تلقین کی گئی۔

مالک سائل کو جو کچھ ملتا ہے کاسہ گدائی میں ڈال کر بڑی احسان مندی سے کھا کر دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوتا ہے تو حضور فرماتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے غلام ہیں اس کی نعمت کو اس طرح استعمال کریں گے جس طرح ایک غلام اپنے آقا کی نعمت کو کام میں لاتا ہے۔ ہر ذرہ پر شکر گزار رہیں گے۔

کھانے کی ابتدا اور انتہا کی دعا :

کھانے کے آغاز میں بسم اللہ پڑھیں گے ان الله ليرضى عن العبد ياكل الاكلة كل اويشرب الشربة فيحمد لله عليها۔ اللہ اس پر خوش ہوتے ہیں کہ جو کھایا پیا اس پر اسکی حمد بیان کی جائے۔ کھانے کے بعد بھی شکریہ ادا کیا جائے آخر میں پھر دعا پڑھے الحمدلله الذى اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين۔

کفران نعمت کے طریقے ممنوع ہیں :

اور کیفیت بھی کھاتے وقت عاجزی کی ہو۔ حضورؐ فرماتے ہیں اما انا فلا اكل متكئاً کہ میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ اگرچہ حرام نہیں لیکن رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس طریقہ کو پسند نہیں کرتا تو آپ کے صحابہ اور پیروکاروں کے لئے یہی کافی ہے کہ جب حضورؐ ایک طریقہ کو پسند نہ فرماویں تو ان کا ایک امتی کیسے اس کی

جرأت کرے گا تو عام طریقوں سے تکبر، تبختر، کفرانِ نعمت کی نفی فرمادی اگر کھانا گر گیا اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالو۔ کھانے کو گندی جگہ نہیں ڈالنا کیونکہ یہ نعمت کی ناشکری ہے۔ اگر آپ کسی مہمان کے سامنے مرغ وغیرہ رکھ دیں وہ کچھ کھائے اور کچھ دور پھینک دے تو آپ کیا محسوس کریں گے۔ کیا اس مہمان کے اس رویہ کو کوئی پسند کرے گا ہرگز نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جب کسی کو انعامات سے نوازے اور وہ ان انعامات کی ناشکری کرے تو اس پر بہت ناراض ہوتے ہیں۔ عاجزی اور بندگی کے اظہار پر خوش ہوتے ہیں حضورؐ سے جب نوالہ گرتا تو اس کو اٹھالیتے تھے اگر اس پر کوئی گندگی وغیرہ لگی ہوتی تو صاف کر کے اللہ کے شکریہ کے ساتھ کھالیتے تھے۔

بہر حال امام ترمذی کے ان ابواب میں ان فطری امور میں بھی تعین مقدار اور اعتدال بتلانا چاہا ہے کہ افراط و تفریط سے پرہیز رکھو بالکل بھوکا بھی نہیں رہنا چاہیے بالکل نہ کھائے خودکشی کرے تو حرام ہے۔

عبادت میں اعتدال :

حضورؐ کے پاس ایک عورت آئی حضرت عائشہؓ نے اسکی بڑی تعریف فرمائی کہ روزے رکھتی ہیں ساری رات عبادت کرتی ہیں بڑے مجاہدے کرتی ہے تو حضورؐ نے فرمایا میں تو کھاتا بھی ہوں پیتا بھی ہوں اور رات کو نیند اور آرام بھی کرتا ہوں۔ فاقہ کشی تو خودکشی ہے۔ ولعینك علیك حق ولنفسك علیك حق یعنی تجھ پر تیری آنکھ اور تیرے نفس کا حق ہے۔ اگر ایک طالب علم مسلسل مطالعہ کرتا رہے تو استاد اور مصلح اس کو سمجھائے گا بدن کا بھی حق ہے۔ آرام اور نیند بھی کرو۔ تو حضورؐ نے اس عورت کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ جس نے جان جوکھوں میں ڈال رکھی تھی وہی کام کرو جو کر سکو۔ فاقہ کشی تفریط ہے۔ اللہ کی نعمتوں سے ایک دائرہ کے اندر مستفید ہوتے رہو۔ تبتل اسی لئے حرام ہے۔

صوم وصال کی ممانعت :

اسلام میں صوم وصال سے منع کیا گیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ روزہ بھی ہو تو رات کو خالی پیٹ نہیں سونا چاہیے بلکہ کچھ کھا کر سویا جائے۔ خالی پیٹ سونے سے صحت کو نقصان پہنچے گا تو صوم وصال سے منع فرمایا کہ ربکم مثلی تم میں سے کون میری طرح ہے مجھے تو اللہ کھلاتا پلاتا ہے روحانی طور پر۔ تو اس کے اندر میری اتباع نہ کرو ہر چیز میں بالکل اعتدال ہے۔ تفصیلات انشاء اللہ آگے آئیں گی۔ اطعمہ طعام کی جمع ہے کھانوں کے بارے میں حضورؐ سے جو کچھ منقول ہے حلت ہو یا حرمت یا کراہت فائدہ کی اشیاء ہوں یا نقصان کی سب کا ذکر آئے گا۔ حضورؐ کے قول و فعل اور تقریر سے اس کی وضاحت ہوگی۔ دستر خوان پر کسی کو کوئی شئی کھاتے ہوئے دیکھا یا بازار میں خود اس کو استعمال نہیں کیا۔ لیکن منع بھی نہیں کیا تو جائز ہے مثلاً کسی کو کوکا کولا پیتے ہوئے دیکھا ہوتا، منع نہیں کیا تو یہ آپؐ کے سکوت کی وجہ سے جائز ہوگا۔

مولانا تقی الدین ندوی
ترجمہ و تلخیص : عرفان احمد ندوی

امام طحاویؒ (محدث وقت)

امام طحاوی کا زمانہ :

امام طحاوی نے اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ تیسری صدی ہجری میں گزارا' ان کی پیدائش کے سلسلے میں دو روایتیں ملتی ہیں ۲۲۹ھ یا ۲۳۹ھ۔ ان کا انتقال ۳۲۱ھ میں ہوا۔ یہ دور بہت ہی درخشاں و تابناک دور تھا جس میں اسلامی علوم کی خاص طور پر بغداد میں ترویج و ترقی ہوئی چنانچہ اس دور میں چاروں مکتب فکر (مسلک) پروان چڑھے اور ان کی تدوین عمل میں آئی اور زیادہ تر لوگ ان میں سے کسی ایک کے پیروکار ہوگئے۔ اسی دور میں علوم قرآن خاص طور پر علم تفسیر کا فروغ ہوا اور سیرت' مغازی' تاریخ اور طبقات پر بے شمار کتابیں تصنیف کی گئیں اور قرآن کریم کی خدمت کی غرض سے بہت سارے علوم عربیہ کی بنیاد پڑی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب غیر ملکی تہذیب و ثقافت کا سیلاب مسلم معاشرہ پر امڈ پڑا۔ بعض خلفاً نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور ان میں سے زیادہ تر حصہ کا عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا گیا۔

علوم و حدیث امام طحاویؒ کے زمانہ میں اپنے سنہرے دور میں داخل ہو چکے تھے۔ اور بلا شبہ ان کی تدوین خود حدیث کی تدوین کے ہمدوش تھی' اس زمانہ کے علمأ نے حدیث اور فن حدیث پر بے شمار کتابیں تالیف کرنے میں بے انتہا کوشش کی اور بڑے انہماک سے کام لیا نتیجتاً علوم و حدیث میں زبردست ترقی ہوئی اگر ہم (الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة والمشرفة) پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو ہم بخوبی اس بات سے واقف ہو جائیں گے کہ اس زمانہ میں علم حدیث پر کتنی عظیم کتابیں لکھی گئیں' امام طحاویؒ مصر میں تھے جو ان کے زمانہ میں ایک عظیم علمی مرکز اور بغداد کے ہم پلہ تھا' امام سخاوی فرماتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مصر کو فتح کیا اور وہاں بہت سے صحابہ کرام نے سکونت اختیار کی تابعین کے زمانہ میں یہاں علمی دور دورہ ہوا' پھر عمر بن الحارث' حیوۃ بن شریح' لیث بن سعد کے زمانہ میں علوم کی ترقی ہوتی رہی اور یہ سلسلہ ابن وھب' شافعی ابن قاسم اور ان کے شاگردوں کے دور تک جاری و ساری رہا۔ اسی طرح اسلامی ممالک میں علمی اسفار نے اس کو دوسرے ممالک سے مربوط رکھا۔ امام طحاویؒ نے امام شافعیؒ کے شاگردوں کا زمانہ پایا انہیں میں

ایک امام مزنیؒ ہیں جو امام طحاویؒ کے استاذ تھے اس وقت اسلام مخالف رجحانات ظاہر ہوئے مگر خلفاؒ کی بیداری نے ان کا سدباب کیا کیونکہ اس وقت اسلامی معاشرہ میں اسلامی عقیدہ اور سنت والجماعت کا دور دورہ تھا۔

نام و نسب :

ان کا نام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبدالملک ازہری، مصری، طحاوی ہے ان کی پیدائش ۲۳۹ھ میں ہوئی ابن خلکان نے سمعانی سے نقل کیا ہے کہ ان کا کہنا ہے ان کی پیدائش ۲۲۹ھ میں ہوئی اور یہ زیادہ اصح قول ہے ابن کثیر ان کی وفات کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ ذی القعدہ کی شروعات میں ۸۲ ویں سال کی عمر میں انتقال ہوا ابو سعید سمعانی نے ان کی پیدائش کا سن ۲۳۹ھ بتایا تو اس اعتبار سے امام طحاوی ۹۰ سال سے زائد کے ہوئے واللہ اعلم اور جہاں تک ان کی وفات کا مسئلہ ہے تو تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۳۲۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

پرورش اور حصول علم

ان کا علومرتبت کم سنی ہی میں ظاہر ہوا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ایک محفوظ رکھنے والا مضبوط حافظہ اور تیز ذہن عطا فرمایا تھا ابتدائی تعلیم انہوں نے گھر ہی پر حاصل کی قرآن کریم کو حفظ کیا ان کے ماموں ابو ابراہیم مزنی امام شافعی کے شاگرد انکی توجہ علم کی طرف مبذول کراتے تھے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص سے میں نے حدیث لکھی وہ مزنی ہیں۔ پھر دو سال بعد جب احمد بن ابی عمران مصر کے قاضی بن کر تشریف لائے تو میں نے ان کی صحبت اختیار کرلی اور ان کے قول پر عمل پیرا ہوا۔ تاریخ مصر میں ابو سعید بن یونس ان کے متعلق کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اپنے ماموں ابو براہیم اسماعیل مزنی امام شافعی سے علم فقہ حاصل کیا اور انہیں سے کتاب السنن وغیرہ بواسطہ امام شافعی سماعت فرمائی۔ امام طحاویؒ شام کی طرف روانہ ہوئے، بیت المقدس، غزہ اور عسقلان، میں سماعت حدیث فرمائی۔ اور دمشق میں قاضی ابی حازم سے فقہ سیکھی اور ۲۶۹ھ میں مصر واپس ہوئے۔

پہلے وہ مسلک شافعی کے پیروکار تھے پھر مسلک حنفی کو اختیار کیا دراصل ان کے اور ان کے ماموں کے درمیان ایک واقعہ پیش آیا جس نے ان کو مسلک ابو حنیفہ کا پیروکار بنایا۔ محمد بن احمد الشروطی کہتے ہیں' میں نے امام طحاوی سے پوچھا کہ آپ نے اپنے ماموں کی مخالفت کیوں کی' اور امام ابو حنیفہ کے مسلک کو اختیار کرلیا انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے ماموں کو امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا برابر مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا اس لئے میں ان کی طرف مائل ہوگیا۔ علامہ کوثری کہتے ہیں کہ میں نے بھی ان کی کتابوں کو دیکھنا شروع کیا تو اس مطالعہ نے مجھے ان کے مسلک کا اختیار کرنے والا بنایا۔

علامہ کے شیوخ :

اس بحث میں ان کے اساتذہ سے متعلق گفتگو کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ بعض علماً نے ان کا ذکر ایک مکمل کتاب میں کیا ہے۔

تلامذہ :

جب امام طحاویؒ کی علم حدیث میں شہرت و مقبولیت ہوئی اور علم فقہ میں جمع و تدوین کا کام کیا تو ان سے بیشمار لوگوں نے روایت کی جن میں سے ابو القاسم طبرانی' ابو بکر بن مقری' محمد بن مظفر بھی ہیں' انکے علاوہ بہت سی مصری و دمشقی اور حدیث میں اسفار کرنے والے بھی ہیں' ان لوگوں کا تذکرہ بعض علماً نے ایک مستقل کتاب میں کیا ہے۔

ان کی شان میں علماً کے توصیفی کلمات :

(۱) امام طحاویؒ فقہ و حدیث میں عالم اسلام کے علماً میں سے تھے' اور اللہ کے رسول کی احادیث' اس سے مستنبط مسائل میں وسعت معلومات سے متصف علماً میں ان کا شمار ہے۔

(۲) سعید بن یونس کہتے ہیں آپ ثقہ' ثبت' فقیہ اور عاقل تھے اور کوئی ان کا جانشین نہیں ہوا۔

(۳) ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ آپ بہت ثقہ' ثبت' دانا' فقیہ اور عاقل تھے۔

(۴) امام ذہبی فرماتے ہیں جو شخص اس امام کی تصنیفات کو دیکھے گا وہ ان کے علم اور معلومات کی وسعت میں ان کے مقام و مرتبہ کو جان جائے گا علامہ نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں ان کے مرتبہ میں کہا کہ وہ امام' علامہ' زبردست حافظ اور مصری دیار کے محدث ہیں۔

(۵) ابن تغری بردیؒ فرماتے ہیں طحاوی فقیہ' حنفی' محدث' حافظ' شیخ الاسلام اور بلند پایہ علاموں میں سے ایک ہیں' وہ حدیث و فقہ میں اپنے زمانہ کے بلا مقابل امام تھے۔

(۶) ابن خلکان کہتے ہیں کہ مصر میں حنفیت کی صدارت انہیں پر ختم ہوتی ہے۔

(۷) علامہ سید انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں۔ امام طحاوی امام ابو حنیفہ کے مسلک کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے بلکہ تمام مذاہب کے بارے میں لوگوں میں سب سے زیادہ' جاننے والے تھے اور وہ امام شافعی سے ایک واسطے سے روایت کرتے ہیں اور امام مالک سے دو واسطوں سے لیکن امام ابو حنیفہ سے تین واسطوں سے روایت کرتے ہیں اور ان کی کتاب الصحیح جو معانی الآثار کی شرح ہے اس میں امام احمد سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام طحاوی ایک مجتہد امام ہیں اور باعتبار شرح حدیث مجدد ہیں' شرح حدیث سے مراد یہ ہے کہ وہ محمولات اجازت اور اس کی پیچیدگیاں اور بحث و تحقیق کو بیان کرتے ہیں۔ پس وہ اپنے ایجاد کردہ طریقے کے امام

ہیں جبکہ قدماً اپنی کتابوں میں احادیث کی روایت پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

(۸) حافظ ابن حجر نے لسان المیز ان میں ذکر کیا ہے کہ ابو جعفر طحاوی بیان کرتے ہیں۔بڑے لوگوں میں سے ایک آدمی قاضی محمد بن عبدہ کے پاس حاضر ہوا اور ان کی مجلس میں کہا کہ تم جانتے ہو کہ حضرت ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود نے اپنی ماں اور انہوں نے اپنے والد سے کون سی حدیث روایت کی ہے 'ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے ان کے سامنے حدیث کو انہی کی سند سے دو طریقوں سے بیان کیا ہے تو اس شخص نے کہا کہ شام کو میں نے آپ کو فقہا کے ساتھ ان کے میدان میں دیکھا اور اس وقت آپ کو محدثین کے ساتھ ان کے میدان میں دیکھ رہوں اور کم ہی لوگ ہیں جن میں وہ صفات مجتمع ہوں' میں نے کہا یہ اللہ کا فضل وانعام ہے۔

تصنیفات :

علوم اسلامی میں بے شمار کتابیں تالیف کیں جن کی تعداد ۳۸ ہے۔آپ کی تالیفات حسن جودت 'جمع و تحقیق 'اور کثرتِ فوائد میں نہایت ممتاز مقام کی حامل ہیں 'انہیں محقق علماً 'باریک بین فقہا کے نزدیک قبولیت کا رتبہ ملا 'متقدمین حضرات متاخرین کی بہ نسبت ان کی کتابوں سے زیادہ شغف رکھتے تھے۔ان کی تمام تصانیف کا تعارف کرانا مشکل ہے اس مختصر گفتگو میں علم حدیث پر ان کی کتابوں کے تعارف پر اکتفا کیا جائے گا۔

علم حدیث میں ان کی خدمات :

شرح معانی الاثار و مکانتہ بین السنۃ یہ ان کی سب سے اہم کتاب ہے اور طلباً کے مابین سب سے زیادہ شہریت اور تداول کی حامل ہے۔ملا علی قاری نے بیان کیا ہے کہ (معانی الاثار) ان کی پہلی اور مشکل الاثار سب سے آخری تصنیف ہے۔

علامہ عینی نے بھی ان کی تعریف کی ہے ان کی تصنیفات بہت ہی عمدہ ہیں بہت زیادہ فائدہ پہنچانے والی ہیں خاص طور پر ان کی کتاب (معانی الاثار) کیونکہ ایک منصف دیکھنے والا جب کتاب پر غور کرے گا تو اس کو محسوس ہوگا کہ یہ مقبول و معروف کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے اور قاری کو اس کا احساس اس وقت ہوگا جب وہ ان کے کلام اور ترتیب پر غور کرے گا۔اس کتاب کا موضوع وہ متعارض احادیث ہیں جو علمی احکامات میں علماً کے اختلاف کا سبب رہی ہیں کیونکہ ہر فریق انھیں احادیث کو پیش کرتا ہے جن سے ان کی تائید ہوتی ہو اور ان کی جمع و ترتیب فقہی اعتبار سے ہوتی ہے کتاب کے مقدمہ میں امام طحاوی نے مقصد تالیف بیان فرمایا ہے کہتے ہیں بعض میرے اہل علم احباب نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ان کے لئے ایک ایسی کتاب ترتیب دوں جن میں حضورؐ سے مروی احادیث کو بیان کروں ان احکامات کے سلسلے میں جس کو ملحدین اور ضعیف الایمان لوگ اہل اسلام سے یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اپنے علم کی کمی کے باعث بعض احادیث کی خلاف ورزی کرتے ہیں ایک کے ناسخ اور

دوسرے کے منسوخ ہونے کی وجہ سے اس میں سے جس کا علم ضروری ہے اس چیز کے لئے جس کی شہادت بولنے والی کتاب (قرآن) متفق علیہ سنت سے ہو۔

اور ہر باب میں ناسخ و منسوخ ،علماً کی تاویل ،علماً کے اعتراض اور بعض پر دلیل و ثبوت پیش کیا ہے ان میں جن کا قول صحیح ہے ،یا اسی کے مثل جو سنت ،اجماع یا صحابہ اور تابعین کے مواتر اقوال میں صحیح ہے اس کی دلیل پیش کی ہے تو جس طرح مجھ سے سوال کیا گیا اسی اعتبار سے میں نے ابواب باندھے اور ان کو چند کتب میں تقسیم کیا اور ہر کتاب میں ان اقسام میں سے ایک قسم کا تذکرہ کیا۔ یہ کتاب متعدد بار ہندوستان سے شائع ہو چکی اور آخر میں قاہرہ سے چھپی لیکن ابھی تک اس کی تحقیق شرح طبع نہیں ہوئی ہے۔ اور اس کتاب کی چند تلخیص شرحیں تصنیف کی جا چکی ہیں۔

(۲) مشاکل الاثار :

یہ کتاب ان احادیث پر مشتمل ہے جس کو طحاویؒ نے پیچیدہ غیر واضح تصور کیا ہے چاہے وہ احادیث تفسیر سے متعلق ہوں یا قرائتوں سے ،یا فقہ ،لغت یا علم کلام وغیرہ سے ان کی وابستگی ہو ،اس طرح وہ مختلف الآثار سے زیادہ عام ہے ،امام طحاویؒ اس کتاب کے مقدمہ میں اس کتاب کے سبب تالیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ، میں نے حضورؐ سے مروی ان احادیث کو دیکھا جن کے راوی ثقہ اور جن کی سندیں مقبول تھیں اور جن کو اہل امانت نے بہترین انداز میں بیان کیا تھا تو مجھے ان میں کچھ ایسی چیزیں نظر آئیں جن کی واقفیت اور اس میں بیان کردہ علم سے اکثر لوگ قاصر رہتے ہیں اس لئے میرا دل ان میں غور و فکر کی طرف اور ان مشکلات کو واشگاف کرنے اور وہ احکام جو ان احادیث میں تھے ان کے مستخرج کرنے کی طرف مائل ہوا اور وہ نصوص شریعہ سے دفاع کرتے ہیں کہ ان میں کوئی تعارض نہیں اور بعض لوگ حدیث میں جو تعارض کو سمجھتے ہیں وہ صرف ظاہری اعتبار سے ہے لیکن دقیق ترتیب کی وجہ سے کتاب میں نقص پیدا ہو گیا ہے اور اس سے استفادہ ذرا مشکل ہے۔

(۳) سنن الشافعی :

اس کتاب کا نام (السنن الماثورۃ) بھی ہے اس کتاب میں امام شافعی کی ان احادیث کو جمع کیا ہے جن کو انہوں نے امام ترمذی سے سماعت فرمایا ہے اور یہ کتاب ۱۳۱۵ھ میں مصر سے چھپ چکی ہے۔

(۴) کتاب صحیح الاثار :

یہ کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے جس کا نمبر ۵۴۸ ہے اور یہ کتاب ۷۸۹ اوراق پر مشتمل ہے میرے پاس اس کتاب کی ایک فوٹو کاپی موجود ہے اس میں غور و فکر کے بعد مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب (شرح معانی الاثار) کی تلخیص ہے۔ رہا اس کتاب میں امام طحاویؒ کی طرف منسوب کرنا تو مجھے اس میں شک

ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(۵) کتاب نقض کتاب المدلسین علی الکرابیسی :

کرابیسی کی اس کتاب نے ایک زبردست الجھن اور پیچیدگی پیدا کردی تھی' اس کتاب نے اہل سنت کے دشمنوں کو کافی دلائل فراہم کردیئے ہیں' بایں طور کہ مصنف نے اس میں اپنے مسلک کے مخالف رواۃ کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جیساکہ رامہرمزی نے اپنی کتاب (المحدث الفاصل) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام طحاوی نے اپنے آپ کو اس کتاب کی تردید کے لئے تیار کیا۔ المدارد ینی نے الجواہر النقی میں امام طحاوی کی کتاب (الرو علی الکرابیسی) سے نقل کی ہے۔

(۶) کتاب التسویة بین حدثنا واخبرنا:

یہ بہت چھوٹی سی کتاب ہے جیساکہ ابن ندیم نے کہا ہے اور ابن عبد البر نے اس کی تلخیص (جامع بیان العلم) میں کی ہے۔

ناقدین حدیث کے یہاں امام طحاوی کا مقام و مرتبہ اور جرح و تعدیل میں ان کے اثرات۔

علمائے جرح و تعدیل کے نزدیک امام طحاویؒ کا ایک مرتبہ ہے اسی طرح ان کے احکام کو ایک ایسا وزن حاصل ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کیونکہ انہوں نے رجال پر اپنی کتاب (التاریخ الکبیر) تصنیف فرمائی اگرچہ وہ نایاب ہے لیکن ان کا کام ان کی دوسری تصنیفات اور کتب رجال میں مذکور ہیں۔ جو ان کے عالی مرتبت اور اس فن میں مکمل دسترس کا بین ثبوت ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ) ان کے اقوال بکثرت نقل کرتے ہیں اور انہیں راجح قرار دیتے ہیں اس کے ذریعہ ناقدین کے نزدیک ان کے مقام و مرتبہ کو عیاں کرتا ہے (تہذیب التہذیب اور لسان المیزان میں ان کے مذکورہ اقوال کی تعداد معلوم کرنا ایک خاص بحث کا متقاضی ہے اور یہاں صرف مندرجہ ذیل مثالیں کافی ہیں :

(۱) حافظ ابن حجر نے جعفر بن ربیعہ کندی کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ امام طحاوی ابی سلمہ سے ان کے سماع کے بارے میں کہتے ہیں ہم نہیں جانتے۔

(۲) حسن بن عیاش اسدی کوفی کے ترجمہ میں (امام حجر کہتے) امام طحاوی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں قابل حجت بھی ہیں۔

(۳) عبد الرحمان بن حرملہ اسدی کے ترجمہ میں کہا امام طحاوی کہتے ہیں کہ ابو علی ہمدانی سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے۔ یوسف بن خالد سمتی بصری کے ترجمہ میں کہا امام طحاوی کہتے ہیں مجھ سے امام مزنی نے بیان کیا انہوں نے امام شافعیؒ سے بیان کیا انہوں نے خالد بن یوسف سے اور وہ ضعیف ہیں۔ امام ابن حجر نے عبد اللہ بن محمد بن

جعفر قزوینی کا ترجمہ لسان المیزان میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ ابو قاسم مصر آئے اور یہاں کے شیوخ سے ان احادیث کی سماعت کی ہے اور ہم بھی وہیں تھے لیکن ہم نے اس کو نقل نہیں کیا تو کیوں ان سے مناظرہ نہ کریں؟

(۸) اسمائے رجال میں ان کے مصادر و مراجع :

(۱) وہ کتابیں جو اس فن میں تصنیف کی جاچکی تھیں۔

(۲) وہ روایتیں جو ان تک پہنچیں ان لوگوں کے سلسلے میں جن کے متعلق علماً نے کلام کیا ہے جیسے سفیان ثوری یحییٰ بن معین اور ان کے علاوہ دیگر حضرات۔

(۳) امام طحاویؒ کو یحییٰ بن معین کی فن رجال پر ایک کتاب کے متعلق اطلاع ملی چنانچہ انہوں نے "باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ کیف ہو" مخالفین سے ان کے مناظرہ کے وقت بیان کیا ہے کہ اس باب میں عطاف بن خالد کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو ان سے کہا جائے گا تم لوگ عبدالحمید کو عطاف سے زیادہ ضعیف قرار دیتے ہو جبکہ عطاف کی تمام حدیثیں نہیں چھوڑتے تم دعویٰ کرتے ہو قدیم دور میں ان کی تمام حدیثیں صحیح تھیں اور ان کے آخری دور کی احادیث میں کچھ ضعف لاحق ہو گیا تھا۔

اسی طرح امام طحاویؒ کو امام بخاری کی تاریخ کی کتاب کے بارے میں واقفیت ہوئی اور ان سے بہت سی چیزیں اپنی کتاب (مشکل الاثار) میں نقل کی ہیں۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ ہم نے امام بخاری کی کتاب میں محمد بن ابی حفص کے بارے میں ذکر پایا۔ امام بخاری کہتے ہیں وہ کوفی ہیں ان سے ابو نعیم کی سماعت ہے اور ابو غسان نے ان سے نقل کیا ہے۔ امام طحاویؒ کی معلومات صرف ان کتابوں تک محدود نہیں تھیں اس کے علاوہ بھی بہت سی تصانیف ہوں گی جن کے متعلق ہمیں معلومات فراہم نہ ہو سکیں۔

(۹) امام طحاویؒ اور علم علل حدیث :

اور یہ بات اضافی طور پر کی جاتی ہے۔ علل حدیث کا علم ان اہم علوم میں سے ہے جس کے ذریعہ صحیح، ضعیف اور مقبول و مردود اور سقیم و سلیم کو پہچانا جا سکتا ہے اور اسی علم سے اعمال ترک و ایجاب مترتب ہوتے ہیں اور اس میں مہارت صرف بڑے علماً ہی کو حاصل ہو سکی ان ائمہ متقدمین میں سے جو اس میدان میں مشہور ہوئے مثلاً شعبہ بن حجاج، سفیان بن عینیہ، یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم رازی وغیرہ اور امام طحاوی کو اس علم میں ایک بڑا حصہ ملا ہے مندرجہ ذیل مثالوں سے اس علم میں ان کا رسوخ واضح ہو جاتا ہے۔

(۱۰) اسانید کی کمزوریوں سے واقفیت :

امام طحاویؒ کی خصلت یہ ہے کہ اسانید کے علل خواہ واضح ہوں یا غیر واضح وہ ان کی نشاندہی اس کی علت

کا اظہار کرتے ہوئے کرتے ہیں اسی سلسلہ میں امام صاحب اس سند کے تعلق سے بیان کرتے ہیں جو یونس بن عبدالاعلیٰ کے ذریعہ نقل کی جاتی ہے وہاں علت کا انقطاع پایا جارہا ہے۔ کہتے ہیں مجھ سے امام ابن وہب نے بیان کیا امام طحاوی فرماتے ہیں۔ مجھ کو یحییٰ بن ایوب عبدالرحمان بن حرملہ سے انہوں نے ابو علی ہمدانی سے بتایا ابو جعفر کہتے ہیں "وہ ثمامہ بن شفی ہیں" کہتے ہیں میں نے عقبہ بن عامر جہنی سے سنا ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول خدا سے سنا آپ فرماتے ہیں جس نے امامت کی اور اخیر وقت تک پہنچ گیا امام ابو جعفر نے فرمایا حدیث کا علم رکھنے والے اس حدیث کی سند کے متعلق کہتے ہیں کہ سچ تو یہ ہے کہ یہ یحییٰ بن ابو عن حرملہ بن عمر ان عن ابی علی الہمدانی سے ہے کیونکہ عبدالرحمان بن حرملہ کا ابو علی ہمدانی سے سماع ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح اسی سند سے معمر سے تخریج کی ہے مجھ سے سلیمان بن اعمش نے بیان کیا کہ انہوں نے زید بن وھب جھنی سے انہوں نے حذیفہ بن یمان سے الی آخرہ نقل کرتے ہیں۔ امام طحاوی اس پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں تمام اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ بلا شبہ معمر اس حدیث کی سند اعمش سے ذکر کرنے مین غلطی کرتے ہیں اور اس حدیث کی اسناد میں صحیح وہ ہے جو مجھ سے فہد بن سلیمان نے 'انہوں نے محمد بن صلت کوفی' انہوں نے ابو معاویہ 'انہوں نے اعمش اور وہ خیثمہ سے نقل کرتے ہیں۔

(۱۱) بعض علمائے کرام کی امام طحاویؒ پر تنقیدیں :

روایوں پر جرح و تعدیل کے اعتبار سے امام طحاویؒ کے جس کلام کو ہم نے بیان کیا اور یہ کہ وہ بعض روایات کو بعض پر حدیث کی بناوٹ کی حیثیت سے زیادہ ترجیح دیتے ہیں اور علامہ مبہم کی تشریح کرتے ہیں اور حدیث کی تلبیس اور علل کو بیان کرتے ہیں۔ پھر باہم متعارض احادیث کے محمولات کو ذکر کرتے ہیں اور ان احادیث میں توافق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ تضاد رفع ہو جائے یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امام طحاویؒ ذہین وفطین حفاظ اور ناقدین حدیث میں سے تھے اس بات کا اس فن کے ائمہ نے اعتراف کیا ہے ان سب خدمات کے باوجود بعض علماً نے ان کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور (ستم بالائے ستم) یہ کہ ان کو محدثین کے زمرے سے خارج قرار دیا ہے ان میں امام بیہقی اور امام ابن تیمیہ ہیں۔

(۱۲) امام بیہقی کی امام طحاویؒ پر تنقید :

امام بیہقی اپنی کتاب " کتاب معرفة السنة والاثار " میں امام طحاوی کو جرح و تنقید کا نشانہ بنایا ہے وہ کہتے ہیں جب میں نے اس کتاب کی تالیف شروع کی تو علم حدیث کے بعض جانکار دوستوں نے ابو جعفر طحاوی کی کتاب اور اسی کے ساتھ ایک خط بھی بھیجا جس میں امام طحاویؒ کی شکایت کی تھی کہ انہوں نے بعض اہل علم کے نزدیک صحیح احادیث کو بھی ضعیف قرار دے رکھا تھا جو ان کی آرا سے ہم آہنگ ہوں لہذا امام صاحب نے ان کے

طلب کرنے پر اس کا جواب دیا اور ان کی کتاب کے حوالہ سے ان کی رد کی۔

حدیث مس الذکر سے متعلق امام طحاوی کے کلام کا ذکر کرنے کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں میں نے ان کا پیچھا کیا۔ کہتے ہیں میں نے چاہا کہ ان کی غلطی کو بیان کروں اس حدیث کے تعلق سے پھر میں اسی طرح کی بہت سی مثالوں میں خاموشی اختیار کروں امام بیہقی اپنے کلام میں فرماتے ہیں کہ علم حدیث سے ان کی گہری وابستگی نہیں ہے۔ ایسا ہی امام ابن حجرؒ نے لسان میں نقل کیا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کی ہے گویا کہ ان کے قول سے راضی ہیں۔

علامہ شیخ عبدالقادر اپنی کتاب "الجواہر المضیئۃ" میں اس کتاب کی طرف جس کا امام بیہقی نے اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں وہ کتاب جو "معانی الآثار" کے نام سے مشتہر ہے اور میں نے اس کی اسناد سے بحث کی ہے اور اس حدیث اور اس کی اسناد کو صحاح ستہ اور مصنف ابن شیبہ اور کتب الحفاظ کی طرف منسوب کیا ہے جس کا میں نے الحاوی فی بیان الطحاوی نام رکھا ہے اور ایسا میں نے اپنے استاذ علامہ علاء الدین ماردینی قاضی القضاۃ کے اشارہ پر کیا ہے۔ قاضی القضاۃ ہمارے والد کے شیخ جمال الدین سے جب بعض امرأ نے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس امام طحاویؒ کی کتاب ہے تو جب ہم نے ان سے حدیث کے نزع کے متعلق دریافت کیا تو وہ لوگ کہنے لگے اس حدیث کو تو ہم نے بخاری و مسلم کے علاوہ کسی سے نہیں سنا تو پھر ان سے قاضی القضاۃ علاء الدینؒ نے فرمایا اور وہ حدیثیں جو امام طحاویؒ کی کتابوں میں ہیں ان کا اکثر حصہ بخاری و مسلم، سنن اور اس کے علاوہ حفاظ کی کتب میں ہے، پھر امیر نے کہا آپ سے اس کی تخریج کرنے اور اس کی احادیث کو ان کتابوں سے مناسبت پیدا کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ قاضی القضاۃ نے فرمایا میں اس کام کے لئے اپنے آپ کو فارغ نہیں کروں گا لیکن میں ایک ایسے شخص کے بارے میں واقفیت رکھتا ہوں جو اس کام کو عملی انجام دے سکتا ہے اور میرے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں بات چیت کی۔ امیر نے بہت سی کتابوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی جیسے مزنی کی "اطراف" اور "تہذیب الکمال" اور ان کے علاوہ دیگر کتابیں بھی! اس کام کو میں نے شروع کر دیا اور یہ میرا چالیس ویں سال کا ابتدائی زمانہ تھا ہمارے شیخ قاضی القضاۃ نے ایک عمدہ کتاب کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی یہ کتاب امام طحاوی کے شیوخ کے اسمأ پر مشتمل تھی اور فرمایا میری سمجھ سے یہ کتاب تمہارے لئے کافی ہوگی میں نے اس کتاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا میں نے امام طحاویؒ کو اپنے بعض شیوخ میں امام مسلم کا ہم شریک پایا مثلاً یونس بن عبدالاعلی بہت سی احادیث میں امام مسلم بعینہ اسی روایت کو یونس بن عبدالاعلی امام طحاوی کی سند سے نقل کرتے ہیں اور اللہ یہ کتاب جس کو امام بیہقی طحاوی سے متعلق نقل کرتے ہیں میں نے نہیں دیکھی۔

محققین اور علمأ میں اس طرح کے اختلاف ہر زمانے میں رونما ہوتے رہتے ہیں اس معاملہ میں ان کے

کلام کی طرف توجہ مبذول نہیں کی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی امام ایسا نہیں ہے جس کے متعلق کلام نہ کیا گیا ہو' امام ذھبی فرماتے ہیں معاصرین علماً ہمیشہ ہی اپنی اجتہاد کے مطابق آپس میں نوک جھوک کرتے ہیں ہر ایک اپنے قول کو اختیار کرتا ہے اور حضور ﷺ تک پہنچاتا ہے۔

امام طحاوی کے علم' زہد وورع' امامت ورع وعدالت کی گواہی ایسے لوگوں نے دی ہے جن کی گواہی مستند ہے لہذا امام بیہقی کی باتوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ امام طحاویؒ تقویٰ و پرہیزگاری کے اعلیٰ مقام پر تھے ان سے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ رائے کے مطابق حدیث کو ہٹا دیں یا اپنے مسلک کے لئے اتنا تعصب برتیں کہ درست اور صحیح بات سے گریز کریں۔ مسند ہند شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ''بستان المحدثین'' میں ذکر فرمایا ہے کہ مختصر الطحاوی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام طحاوی ایک مجتہد تھے۔ اور وہ حنفی مسلک کے مقلد نہیں تھے کیونکہ انہوں نے اس کتاب میں بعض ان چیزوں کو بھی اختیار کیا ہے جو مسلک امام ابو حنیفہ کے خلاف ہیں اور ایسا قوی دلائل کے پائے جانے کی وجہ سے کیا۔ بلا شبہ امام بیہقی نے امام طحاویؒ پر ظلم کیا اور اپنے مسلک کی طرف سے دفاع ان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے۔

ممکن ہے کہ امام بیہقی کو یہ عذر در پیش ہوا ہو کہ بعض جگہ سند کے قوی ہونے کا اعتبار کیا ہو اور بعض جگہ ایسا نہ کیا ہو لیکن اپنے حریف کے لئے ایسا عذر نہ تلاش کیا ہو' امام بیہقی نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علمائے حدیث کے زمرے سے ہی ان کو خارج کر دیا ہے چنانچہ انہوں نے بیان کیا کہ حدیث امام طحاویؒ کا میدان نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام طحاوی کی تالیفات اس بات کی تردید کرتی ہیں۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں جس نے اس امام کی تالیفات کو دیکھا تو وہ ان کے علمی مقام اور وسعت معرفت سے واقف ہو گیا۔ ان کے علمی مقام و مرتبہ کا اعتراف محدثین وفقہاء نے بھی کیا ہے۔

ان دونوں بزرگوں کے یہاں مس ذکر کے مسئلہ میں اختلاف صرف اتنا ہے کہ آیا وضو واجب ہے یا غیر واجب۔ امام بیہقی وضو کے قائل ہیں اور انہوں نے دلیل میں بسرہ بنت صفوان کی حدیث کو پیش کیا ہے۔ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے عضو تناسل کو چھوئے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو کرے۔ اور امام طحاویؒ عدم وضو کے قائل ہیں اور امام طحاویؒ نے قیس بن طلق ''جو اپنے والدؓ سے نقل کرتے ہیں'' ان کی حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ جس میں وہ (قیس بن طلق عن ابیہ) کہتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ ہم سے کوئی نماز کی حالت میں اپنے ذکر کو چھوئے تو کیا اس حالت میں نماز کا اعادہ کرے گا تو اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''نہیں'' وہ تو تمہارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔

امام طحاوی نے بسرہ کی حدیث سے شروع کیا اور یہ ذکر کیا کہ عروہ نے بسرہ کی حدیث کو سرے سے

نقل نہیں کیا پھر ان کے مخالفین کی رائے کو بھی پیش کیا اور بسرہ کی حدیث یا اسی سے ملتی جلتی روایت جو زید بن خالد اور ابن عمر، ابی ہریرہؓ اور ان کے علاوہ سے مروی ہے اس کی خامی کے سلسلے میں بحث کیا ہے اور حدیث میں تصنیف کبھی کبھی اس جھگڑے کی وجہ سے تھا جو ان کے اور مروان حکم اور عروہ کے مابین بسرہ کی حدیث کے سلسلے میں پیش آیا اور کبھی ''تصنیف حدیث ''ان احادیث کے راویوں کے جرح و تعدیل کی وجہ سے ہوتا اور تیسری مرتبہ تضعیف بذات خود روایت کی خامی و ضعف کی وجہ سے تھا۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں میں نے اس طعن سے عبداللہ بن ابی بکر علی بن...... اور ان دونوں کے علاوہ کسی پر کوئی چیز مراد نہیں لیا ہے میری مراد حریف کے ظلم و زیادتی کو بیان کرنا ہے۔ امام طحاویؒ نے قیس بن طلق کی حدیث جس کو اپنے والد سے نقل کیا ہے اور اسی طرح متعدد طرف سے روایت کیا ہے وضو کے عدم نقض کی حجیت کو ثابت کیا ہے تو یہ صحیح حدیث ہے اسناد بھی درست ہیں اس کے اسناد میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔

رہا امام بیہقیؒ کا معاملہ تو انہوں نے بسرہ کی روایت کو پیش کیا ہے اور اس کا مراجع کا ذکر کیا ہے مثلاً موطا امام مالک، سنن ابی داؤد، اور عروہ و مروان کے کشمکش کی حقیقت کو بیان کیا اور تشریح کی ہے اور عروہ اس کے بعد اس حدیث کو اختیار کرنے کے قابل ہوتے ہیں پھر احادیث ان کی معین و مددگار بھی ثابت ہوئیں۔

لیکن امام بیہقی کی روایت کو جھٹلایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بسرہ کی حدیث کا سب سے بہتر واسطہ وہ ہے جو امام مالک کے واسطے سے ہے اور ان کی سندیں (عروۃ) مروان ہیں اور وہ اپنے دعوے میں کمزور ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں اس پر اعتماد کیا ہے جو گزر چکا ہے اور عمرو بن شعیب کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان بزرگ نے کچھ سنا ہو مگر اس کا محاکمہ نہ کیا ہو۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کیا آپ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ عمرو بن شعیب اپنے سے کچھ نہیں سنا اور ان سے ان کی حدیث محرف ہیں جو کچھ امام طحاوی نے اس موضوع پر عرض کیا ان کے غلط ہونے پر دلیل نہیں پیش کی گئی ان لوگوں نے یہاں جو یہ وعدہ کیا کہ بہت سے مستند حضرات جو عدم وضوء کے قائل ہیں وہ صرف رائے اور قیاس ہے پس ہم نے انہیں بہت سے اجلہ صحابہ کے قول کی پیروی کرتے ہوئے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے پایا ہے جو ان کے یہاں صحیح ہے۔

(۱۳) ابن تیمیہ کا امام طحاوی پر تنقید کرنا:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی امام طحاویؒ پر کلام کیا ہے اور حدیث رد الشمس کے بحث کے اعتراض میں فرمایا کہ امام طحاوی کو حدیث کی پرکھ ''جیسا کہ اہل علم حضرات کو ہے'' نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ (شرح الاثار) میں مختلف احادیث کو روایت کیا ہے۔ جو کچھ انہوں نے رد شمس کے سلسلے میں عیب زنی کیا ہے اغلب ہے کہ وہ قیاس کی بنا پر کیا ہو جس کو وہ حجت اور دلیل مانتے ہیں لیکن سند کے اعتبار سے اکثر کا ثبوت نہیں ملتا ہے اسی وجہ

سے وہ اعتراض نہیں کرتے کیونکہ ان کی معلومات اسناد کے معاملہ میں اہل علم کی طرح نہیں ہیں گرچہ وہ بہت زیادہ حدیث جاننے والے، فقیہ اور عالم ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کا ظاہر کلام یہ ہے کہ انہوں نے اس حکم کا فیصلہ امام ابی جعفر طحاویؒ کے خلاف کیا اور اس کی تخریج ائمہ نقد سے کی ہے کیونکہ حضرت علی کی حدیث رد شمس صحیح ہے۔ اور صرف امام طحاوی ہی نہیں ہیں جو اس روایت کو سچ مانتے ہیں بلکہ متقدمین و متاخرین نے بھی اس سے توافق کیا ہے اور امام طحاوی کے قول کو امام ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کے قول پر فوقیت دی ہے اور جو کچھ ہم نے رجال پر امام طحاوی کے قول اور ان کے کلام کو احادیث کی تنقید پر ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ اہل علم حضرات تنقید کرتے ہیں وہ ہر انکار کو انکار کرتا ہے اور ہر دفاع کو دفاع کرتا ہے۔ امام طحاوی کی شان میں امام ابن تیمہ کا قول جبکہ وہ مصر کے علماً کے احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے (مناسب نہیں ہے) کیونکہ گھر والا زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس میں کیا ہے لہذا امام ابن تیمیہ کا امام طحاوی پر جرح و تعدیل کرنا ان اعلام علماً کے باوجود زیادہ موثر نہیں ہوگا جبکہ امام ابن تیمیہ نے ان کثیر الحدیث فقیہ اور عالم ہونے کا اعتراف خود کیا ہے۔

جہاں تک امام ابن تیمیہ کا دعویٰ کرنا ہے کہ امام طحاوی احادیث کو قیاس کی رو سے ترجیح دیتے ہیں تو اس کے جواب میں باتیں گزر چکی ہیں، علامہ نے عینی شرح معانی الاثار کے مقدمہ میں کئی جگہ ان کے سبب تالیف کے مقاصد کو اجاگر کیا ہے اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ حنفی حضرات حدیث اور خبر حدیث کو مضبوط سے اختیار کرنے والے ہیں اور ان کا مسلک ہر پیش ہونے والے معاملہ میں حدیث نبوی پر ہوتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ وہ حضرات قیاس کو خبر واحد پر مقدم مانتے ہیں ان کے یہاں احکام کی بنیاد اساس صحت پر ہوتی ہے مگر اس کے باوجود حریف پر قیاس کی پیروی کا الزام لگاتے ہیں اسی طرح منقول کو ترک کر دیتے ہیں نیز یہ الزام ہے کہ حنفیہ کے نزدیک منقول معقول کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اور جو صاحب رائے نہ ہو اسے حدیث کے مواقع اور آثار کے محل کا علم نہیں ہو سکے گا۔

رہا امام تیمیہ کا امام طحاویؒ کو تنقید کا نشانہ بنانا جبکہ ان کی عادت حدیث کی پرکھ کرنا نہیں ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ امام تیمیہ کو حدیث کی معرفت نہیں اور بلا شبہ امام طحاوی رجال کو اسی وقت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جبکہ ترجیح کے ذریعہ نقد کی تعین ہو جاتی ہے اور ان جگہوں پر سند میں تنقید کرتے ہیں اور معذرت کرتے ہیں کہ کشمکش وہی ہے جس کو انہوں نے اس جگہ بیان کیا ہے اور کبھی اس حدیث کے نقد کے بعد جس کا مخالف حاجتمند ہوتا ہے فرماتے ہیں ابو جعفر کہتے ہیں اس سے میری مراد کسی اہل علم کی تضعیف نہیں ہے اور نہ ہی یہ میرا مسلک ہے بلکہ

ہمارے خلاف جو مخالف کی زیادتی ہے اس کو اجاگر کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

حدیث رد الشمس کو امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اسمأ بنت عمیس کی حدیث کو دو روایتوں سے نقل کیا ہے تو اس حدیث اور اس حدیث جس میں روایت ہے " ان الشمس لم تحتبس علی احد الالیوشع " کے مابین توقف پیدا کیا ہے پھر حدیث کی تعلیق کیا ہے۔ اس حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو یہ ثابت کرے کہ حضرت علی کی دعا سے سورج لوٹا دیا گیا ہو اور یہ تو علامات نبوت ہے اور بہت سے فوائد کا ذکر کیا ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں یہ منقطع ہے اور اسمأ کی حدیث متصل ہے۔ " قاضی عیاض " شفا میں فرماتے ہیں امام طحاوی نے " مشکل الحدیث " میں اسمأ بنت عمیس سے دو طریقوں سے تخریج کیا ہے۔ حضورؐ پر وحی نازل ہوتی اور ان کا سر حضرت علیؓ کے حجرہ (گود) میں تھا اور حضرت علی نے عصر کی نماز ادا نہیں کی اور سورج غروب ہو گیا تو حضورؐ نے فرمایا" علی کیا تم نے نماز ادا کر لی؟ تو انہوں نے کہا نہیں پھر اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ سورج تیرے اور تیرے رسولؐ کے تابعدار تھا تو سورج کو حضرت علی کے لئے لوٹا دے " حضرت اسماء کہتی ہیں سورج کو میں نے غروب ہوتے دیکھا پھر میں نے طلوع ہوئے دیکھا اور پہاڑوں اور زمین پر ٹھہرتے ہوئے دیکھا اور وہ " صہباء کا مقام ہے " کہتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں کو ثقہ لوگوں نے روایت کیا ہے امام طحاوی نے احمد بن صالح سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے تھے اس شخص کے لئے جس کا کام ہی حصول علم ہو مناسب نہیں ہے کہ وہ اسماء کی حدیث کو یاد کرنے میں پیچھے رہ جائے کیونکہ وہ نبوت کی نشانیوں میں سے ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں محدثین کا اس حدیث کے صحیح، ضعف اور وضع کرنے کے سلسلے میں اختلاف ہے اور اکثریت اس کے ضعف کے قائل ہے تو وہ کلام میں اپنے اصل کے ساتھ ثابت ہے اور اسانید کے تعارض سے اچھے مرتبہ تک پہنچنے سے وہ قاصر ہو جاتی ہے لہذا اس پر اعتراض کرنا صحیح ہے۔ امام سیوطی نے اپنی کتاب " مناہل الصفا " میں احادیث الشفا کو بیان کیا ہے اور اسماء بنت عمیس کو حدیث کو جو " رد الشمس " کے متعلق ہے اس میں حضرت علی سے بیان کیا ہے جس وقت کہ سورج غروب ہو چکا تھا امام طبرانی نے اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں بعض ثقہ راوی ہیں۔

امام خفاجیؒ شرح الشفا " میں فرماتے ہیں گرچہ اس پر بعض شراح نے اعتراض بھی کیا ہے کہ وہ حدیث موضوع ہے اور اس کے راوی مطعون، کذاب اور حدیث کے گڑھنے والے ہیں اور جن لوگوں کو ابن جوزیؒ کا کلام دھوکہ میں رکھا ہے وہ نہیں جانتے کہ حق اس کے برعکس ہے اور اس بات سے بھی ناواقف ہیں کہ اکثر ان کی کتاب رد کی ہوئی ہے خاتمۃ الحفاظ امام سیوطی اور امام سخاوی نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ ابن جوزیؒ زیادہ تر موضوعات حدیث پر سہارا لیتے ہیں یہاں تک کہ صحیح حدیثوں کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ ابن صلاح نے

بھی اسی طرح اشارہ فرمایا ہے اور اس حدیث کے مصنف صاحب نے تصحیح فرمائی ہے اور متعدد طرق کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس کی صحت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے پہلے بھی بہت سے ائمہ کرام نے اس کی تصحیح کی ہے مثلاً امام طحاوی' اور اس حدیث کو ابن شاہین' ابن مندہ' ابن مردویہ اور امام طبرانی نے اپنے معجم میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے امام سیوطی نے اس حدیث پر مستقل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام انہوں نے "کشف اللبس عن حدیث رد الشمس" نام رکھا ہے اور کہتے ہیں اسی طرح یہ حدیث ابی الحسن الفضل سے بھی گزر چکی ہے جس کے متعدد طرق کو امام صاحب نے بہت سی سندوں سے بیان فرمایا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے اس انداز میں کہ مزید اس پر کچھ اور نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابن جوزیؒ نے بعض ان لوگوں کو جنہوں نے ان کے راویوں کو طعن کیا ہے ان سے تعارض کیا ہے۔

امام طحاوی کے کلام میں جو احمد بن صالح کا ذکر آیا ہے اس سے مراد حافظ ابو جعفر الطبری ہیں ان سے اصحاب سنن نے روایت کی ہے اور ان کے ثقہ ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ امام بخاری نے اپنے صحیح میں ان سے روایت نقل کیا ہے تو جو حضرات ان کی روایت میں طعن وضعف کے قائل ہیں ان کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی امام ابن تیمیہ اور ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا تو یہ ان دونوں حضرات کی ناعاقبت اندیشی ہے۔ اس مختصر بحث اور قطعی دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امام طحاویؒ تیرہویں صدی ہجری کے اعلام حدیث میں سے تھے۔ اور امام طحاوی کی تصنیفات جو حدیث پر ہیں اس بات کی متقاضی ہیں کہ ان کا مطالعہ و معائنہ کیا جائے اور ان کی تحقیق کی جائے اور کاش کہ ان کتابوں کی طباعت کی جائے اور تحقیق و فہارس کے ساتھ ان کی شروعات پیش کی جائے تو اس موجودہ زمانہ میں ایک بڑا کام ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق۔ (بحوالہ "جرنل" پٹنہ لائبریری' انڈیا)

.... حواشی ....

۱۔ الاعلان التوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۲۹۳
۲۔ ابن حجر' تہذیب التہذیب ۱/ ۲۷۳
۳۔ الذہبی تذکرۃ الحفاظ' ص ۸۰۸
۴۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ' ج ۱۱/ ۱۸۶
۵۔ وفیات الاعیان ۱/ ۲۱۸
۶۔ سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ۲۹
۷۔ لسان المیزان ۱/ ۲۷۵
۸۔ معجم البلدان ۶/ ۳۰
۹۔ الفوائد السنیۃ ص ۳۷
۱۰۔ وفیات الاعلان ۱/ ۷۱
۱۱۔ الجواہر المضیۃ ۱/ ۱۰۴
۱۲۔ مقدمۃ امانی الاحبا' ص ۳۳۔ ۴۲
۱۳۔ النجوم الزاہرۃ ۳/ ص ۳۱۳
۱۴۔ تذکرۃ الحفاظ ۶/ ۲۵۰
۱۵۔ سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ص ۳۰
۱۶۔ سیر اعلام النبلاء ص ۲۷
۱۷۔ شذرات الذہب ۲/ ۲۸۸
۱۸۔ وفیات الاعلان ۱/ ۲۷

۱۹۔ ایضاً ۱/۲۷۶ ۲۰۔ النجوم الزاہرۃ ۳/۲۳۹ ۲۱۔ معارف السنن ۱/۱۱۴

۲۲۔ مقدمۃ امانی الاحبار ۱/۷۰.....۱۱۴ نیز تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

القوائد البھیۃ ص ۲۵ فہرست ابن الندیم ص ۲۰۹ کشف الظنون ۲/۱۷۲۸

الجواہر المضیۃ ۱/۱۰۲.....۱۰۴ الحاوی، ص ۳۵۔۳۶ تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۳/۲۶۱

۲۳۔ ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ، ص ۲۹ ۲۴۔ سیر اعلام النبلاء ۱۸/۲۰۲

۲۵۔ مقدمۃ امانی الاحبار ۲۳ ۲۶۔ شرح معانی الاحبار ۱/ص ۶

۲۷۔ شرح معانی الاحبار، ص ۱۳ و ۱۷ ۲۸۔ شرح معانی الاحبار، ص ۶۱

۲۹۔ معانی الآثار، ۱/ص ۳۹ ،۵۳۔۱۳۴ جلد ۲/ص ۲۷ ۳۰۔ معانی الآثار، ص ۳۔۱۳۔۱۱۴

۳۱۔ الحاوی فی سیرۃ الامام ابی جعفر الطحاوی للکوثری، ص ۳۳۔۳۴ ۳۲۔ مشکل الآثار، ۱/ص ۸

۳۳۔ خدابخش لائبریری کے مخطوطات کی فہرست (ہند) ۱/۵۴

۳۴۔ شروح الائمۃ الخمسۃ۔ للحازمی بتعلیق الکوثری ص/۲۲

۳۵۔ الجواہر النقی علی ھامش السنن الکبریٰ ۱/۲۸/۲۹۲ ۳۶۔ جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۷۵۔۱۷۶

۳۷۔ تہذیب التہذیب ۲/ص ۹۰۔۳۱۳ ۳۸۔ تہذیب التہذیب جلد ۲/ص ۱۶۱

۳۹۔ ایضاً جلد ۹/ص/۳۸۳ ۴۰۔ ایضاً جلد ۱۱/ ص/۴۱۲

۴۱۔ ایضاً جلد ۳/ص/۳۴۶ ۴۲۔ معانی الآثار ۱/۱۵۲

۴۳۔ مشکل الآثار /۱۸۱، ۲۶ مزید دیکھئے جلد /د/۱۶۶/ ۱۹ جلد ۳/۲۹۲ جلد ۴/۱۹۱۔۳۵۹

۴۴۔ تہذیب التہذیب ۶/۱۶۱/ جلد ۱۱ص ۳۴۳ ۴۵۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۲/ص، ۳۵۳

۴۶۔ الاصابۃ، ص ۸۹۳ ۴۷۔ معرفۃ السنن والآثار ۱/ص ۱۴۹

۴۸۔ لسان المیزان ۱/ص ۲۷۷ ۴۹۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱/ص ۱۸۸

۵۰۔ میزان الاعتدال ۳/ص ۲۵۶ ۵۱۔ مقدمۃ آمانی الاحبار ص/۵۵

۵۲۔ السنن الکبریٰ ۱/ص ۲۹۔۱۳۴ ۵۳۔ ھامش السنن الکبریٰ ۱/ص ۱۱۰

۵۴۔ سیر اعلام النبلاء ۱۵/ص ۸۲ ۵۵۔ لسان المیزان ۱/ص ۲۷۸، ۲۷۹

۵۶۔ معانی الاثار ۱/ص ۴۳۔۴۸ ۵۷۔ امانی الاحبار شرح معانی الآثار ص/۳۴۴۔۳۷۴

۵۸۔ معرفۃ السنن والاثار ۱/ص/۳۵۳ ۵۹۔ منہاج السنۃ/۴ ص/۱۹۴

۶۰۔ مقدمۃ آمانی الاحبار جلد ۱/ص/۶۰ ۶۱۔ شرح الشفا لعلی القاری جلد ۳/ص/۱۶

۶۲۔ معانی الآثار ۱ص ۱۳۴ ۶۳۔ معانی الاثار ؟۔ /ج ۲، ص ۸۔۱۴

۶۴۔ المقاصد الحسنۃ/ص ۱۰۷ ۶۵۔ مناھل الصفا ص ۳۸

۶۶۔ میزان الاعتدال جلد ۲/ص ۱۶ ۶۷۔ کتاب الجرح والتعدیل ۲/ص، ۹۲

۶۸۔ تقریب التہذیب ۲/ص، ۱۴۵/ جلد ۱/ص ۳۹ ۶۹۔ تہذیب التہذیب ۷/ص ۶۰، جلد ۹ ص ۶۱

۷۰۔ کتاب الجرح والتعدیل ۶/ص ۳۸۳/ جلد ۱۳/ص ۴۷۴/ جلد ۲/۱۲۳

مولانا شہاب الدین ندوی *

امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ : کیوں اور کیسے ؟

موجودہ ''نیو ورلڈ آرڈر'' اور ''گلوبلزم'' کے دور میں اسلام اور مسلمانوں کو گھیرنے اور ان کا قافیہ تنگ کرنے کی عالمگیر سازشیں ہو رہی ہیں۔ اور ان کے دین و ایمان پر حملہ کر کے اسلامی تہذیب کے نقوش و باقیات کو ختم کرنے کی منظم کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔ اس اعتبار سے آج امت مسلمہ ایک مشکل اور نازک دور سے گزر رہی ہے اور موجودہ مشکل حالات سے نپٹنے کے لئے امت کے اہل حل و عقد کو بیدار مغزی کے ساتھ تمام حالات کا جائزہ لے کر موجودہ مشکل مسائل کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں نکالنا ضروری ہے کیونکہ یہی وہ اصل مراجع ہیں جن میں ہر مشکل مسئلے کا حل موجود ہے۔ لہذا ملت کے بہی خواہوں کو اپنے تمام اختلافات مٹا کر ملت کے اجتماعی مسائل کا حل نکالنے کی غرض سے سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے۔ ان مسائل کا حل نکالنا موجودہ سنگین حالات میں فرض کفایہ ہی نہیں بلکہ فرض عین قرار دیا جاسکتا ہے۔

خلافت ارض کا قرآنی فلسفہ :

جہاں تک موجودہ ''جہانگیری'' یا گلوبلزم سے نپٹنے اور اس کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اسلام ایک ایسا کامل دین ہے جو اپنے پیرؤوں کو جامع ہدایات دیتے ہوئے ہر مشکل مسئلے کا حل پیش کرتا ہے اور اس کی ابدی تعلیمات میں ایسے واضح نصوص موجود ہیں جو میل کے پتھر کی طرح ہیں۔ قرآن حکیم اس سلسلے میں نظریاتی مسائل اور عملی احکام و ہدایات سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ آج ہم نے قرآن کے صرف شرعی احکام و مسائل سے تعرض کرتے ہوئے خلافت ارض سے تعلق رکھنے والے احکام و مسائل کو پوری طرح نظرانداز کر دیا ہے۔ گویا کہ اس کتاب حکمت میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے اگر ان تمام احکام و مسائل کی تشریح و تفسیر کی جائے تو اس سے ایک ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے۔ لہذا اس موقع پر صرف دو آیات کی تفسیر کی جاتی ہے جن سے خلافت ارض کا فلسفہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۱۔ ابو البشر حضرت آدمؑ کے توسط سے انسان کو جو علم الاشیاء عطا کیا گیا ہے اس کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ

---

* ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور

اس علم میں مہارت حاصل کر کے مظاہر کائنات اور ان کے اندرونی نظاموں کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے' پھر ان میں جو ''فوائد'' موجود ہیں ان سے استفادہ کر کے تمدنی زندگی کو بہتر بنایا جائے۔ اس اقدام کی بدولت ان اشیاء میں خالق ارض و سماء نے جو ''نعمتیں'' نوع انسانی کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہیں وہ منظر عام پر آجائیں گی اور مخلوق خدا کو ان سے فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

الم تروا ان الله سخرلكم ما فى السموات وما فى الارض واسبغ عليكم نعمه ظاهرة و باطنة (لقمان : ۲۰)

''کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے زمین اور اجرام ساوی کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگادیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں ؟''

چنانچہ ان میں سے بعض ''نعمتیں'' وہ ہیں جو برق و بھاپ کی تسخیر کی بدولت ظاہر ہو رہی ہے جیسے بجلی کے قمقمے' پنکھے' ہیٹر' ٹارچ' ٹیلی فون' فیکس' ریڈیو' ریل' موٹر' ہوائی جہاز' طرح طرح کے برقی آلات اور مختلف قسم کی مشینیں وغیرہ۔ اور ان میں وہ نئی نئی طبی دریافتیں بھی ہیں جو مختلف امراض کے علاج کی حیثیت سے عصر جدید میں منکشف ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر کئی شعبوں میں مفید چیزیں ایجاد کی گئی ہیں۔

۲۔ اسی طرح موجودات عالم میں جو ''مادی قوتیں'' موجود ہیں جیسے برقی قوت' مقناطیسی قوت' اشعاعی قوت' اور جوہری قوت وغیرہ' ان کو مسخر کر کے تمدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ خاص کر ''فوجی و عسکری'' میدانوں میں ''قوت'' حاصل کرنا' تاکہ اس کے لئے ذریعہ اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا جاسکے۔ چنانچہ اس کی تاکید روز اول ہی میں اس طرح کر دی گئی تھی :

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم (انفال ۶۰)

''تم ان کے مقابلے کے لئے جتنی قوت اور گھوڑوں کے پڑاؤ تیار کر سکتے ہو کرو' تاکہ تم اس قوت کے ذریعہ اللہ کے اور تمہارے دشمنوں پر ہیبت طاری کر سکو۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''قوة'' جو استعمال کیا گیا ہے وہ ہر قسم کی ''قوت'' کا جامع ہے۔ چنانچہ آج مغربی قومیں انہی قوتوں سے لیس ہو کر سارے عالم پر قبضہ جمانا چاہتی ہیں۔ غرض اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے دو میدانوں میں سبقت کرنے کی ہدایت فرمائی ہے : ایک تمدنی اور دوسرے فوجی و عسکری۔ اور یہ دونوں میدان علم الاشیاء یا علم آدم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ہی سر ہو سکتے ہیں۔ اور ان دونوں میدانوں کو عبور کرنے کے بعد ہی کوئی قوم ''سیاسی'' حیثیت سے غلبہ حاصل کر سکتی ہے جیسے بارود کی تسخیر کر کے اس کے ذریعہ مختلف قسم کے ہتھیار جیسے بندوق' رائفل' مشین گن' توپ اور بم بنانا اور اسی طرح دیگر طبیعی قوتوں کو قابو میں کر کے

ٹینک،بمبار ہوائی جہاز، ریڈار، اور میزائل وغیرہ تیار کرنا۔ لہذا جو قوم تمدنی، فوجی اور سیاسی میدانوں میں غلبہ و برتری حاصل کرلے وہی "زمین کی خلافت" پر قابض ہونے کی بھی اہل ہوگی۔ اس لحاظ سے خلافت ارض کا مطلب ہے زمین پر تمدنی، فوجی اور سیاسی میدانوں میں غلبہ، اور جو قوم ان تینوں میدانوں میں صفر ہو وہ مغلوب ہو کر دوسروں کی غلام یا حاشیہ بردار بن کر رہ جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کی جگہ کسی دوسری قوم کو لاتا ہے جو خلافت کے تقاضوں کو بروئے کار لانے والی ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم (محمد: ۳۸)

"اور اگر تم (خلافت ارض کے تقاضوں سے) منہ موڑو گے تو وہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لائے گا۔ پھر وہ (اپنی کارکردگی میں) تم جیسے نہیں ہوں گے۔"

یہ ہے قرآن عظیم کا فلسفہ، خلافت جو اس نے امت مسلمہ کے عروج کیلئے طے کیا ہے ان سے بڑھ کر واضح آیات واحکام اور کیا ہوسکتے ہیں۔ مگر آج کے مسلمان ان خدائی ہدایات کو پس پشت ڈال کر تمدنی، فوجی اور سیاسی میدانوں میں پسپائی اختیار کر چکے ہیں۔ لہذا اگر ہم اپنی عظمت رفتہ پھر سے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان میدانوں میں ہمیں آگے بڑھنا اور پوری امت کو یک جٹ ہو کر اس کی تیاری پر زور دینا پڑے گا۔

الحاد و لادینیت کا رد و ابطال :

علم الاشیاء کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس علم میں رسوخ حاصل کر لینے کے بعد الحاد و لادینیت کا رد کرنے اور ان کے بے بنیاد نظریات یا فلسفوں کا علمی و استدلالی میدان میں مقابلہ کر کے انہیں شکست دینا بھی آسان ہو جاتا ہے کیونکہ جب کوئی قوم مادی علوم میں فائق و برتر ہو جائے تو اس میں بسا اوقات مادہ پرستانہ رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ مغرور بن جاتی ہے، خاص کر اس وقت جب کہ دین و مذہب سے اس کا تعلق کسی وجہ سے کمزور ہو جائے جیسا کہ یہ حقیقت عصر جدید میں "چرچ اور سائنس" کی کشمکش کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی۔ لہذا ان مادہ پرستانہ رجحانات کو کچلنے کے لئے ہمیشہ ایک "خدائی فلسفے" کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

اسی مقصد کے تحت خالق کائنات نے جہاں ایک طرف مظاہر کائنات میں کچھ "مادی فوائد" رکھے ہیں تو دوسری طرف انسان کے باغیانہ رجحانات پر روک لگانے کی غرض سے اپنے وجود اور اپنی اخلاقیات کی "نشانیاں" بھی انہی مظاہر میں رکھ چھوڑی ہیں۔ مگر مادہ پرست ان مظاہر و موجودات میں ودیعت شدہ فوائد سے تو مستفید ہوتے ہیں مگر ان میں موجود نشانیوں (دلائل ربوبیت) کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لہذا ان کی تنبیہ کے لئے چند خصوصی علماء کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ جو علم الاشیاء میں مہارت رکھتے ہوئے "جدید اکتشافات" پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ تاکہ وہ ان اکتشافات کی روشنی میں خدا کی نشانیوں کو منظر عام پر لا کر خدائی ہدایت واضح

کر سکیں۔ تاکہ نوع انسانی اپنی گمراہیوں سے باز آسکے۔ اسی لئے علمائے اسلام کو نظام کائنات میں غور و خوض کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں فرمان ربانی ہے :

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنهار لایات الاولی الالباب ۔ الذین یذکرون الله قیاماً وقعوداً وعلی جنوبهم (آل عمران ۱۹۰۔۱۹۱)

"زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور دن رات کے اختلاف میں ان پختہ عقل والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں جو کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔"

اس اعتبار سے علم الاشیاء میں ترقی کی بدولت جیسے جیسے "تحقیقات" کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا ویسے ویسے خلاق عالم کی نئی نئی نشانیاں بھی "تجلیات ربانی" کے روپ میں ظاہر ہوتی رہیں گی اور ان نشانیوں کو اجاگر کرنے کے لئے علماً کی ایک خصوصی جماعت کا وجود ہر دور میں ضروری ہے ورنہ الحاد لادینیت کو بڑھاوا ملے گا اور دینی و شرعی تقاضے پس پشت ہو جائیں گے۔

اس لحاظ سے علم الاشیاء کے دو میدان ہو گئے : ایک تمدنی و عسکری اور دوسرے علمی و استدلالی۔ پہلا میدان سائنسی ماہرین و مہندسین کا ہے اور دوسرا علمائے اسلام کا۔ اور کسی بھی قوم کو خلافت ارض کے مقام پر فائز ہونے کے لئے ان دونوں طبقوں کا وجود ضروری ہے اور ان دونوں میدانوں میں برتری کے بعد ہی کوئی قوم "خلیفہ" ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ لہٰذا جب تک یہ میدان سر نہ ہو امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ ایک خواب پریشان ہی رہے گی۔

کار خلافت کی تکمیل :

الغرض خلافت ارض کا حصول بچوں کا کھیل نہیں ہے اس کے حصول کے لئے امت مسلمہ کو سخت محنت اور جدوجہد کرنی پڑے گی اور یہ خلافت کاہل اور عیاش قوموں کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں اپنا واضح فرمان اس طرح جاری کر دیا ہے :

ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدهم لننظر کیف تعملون (یونس : ۱۴)

"پھر ہم نے ان قوموں (کو ہلاک کرنے) کے بعد تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو؟"

وهو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما اتاکم ان ربك سریع العقاب وانه لغفور رحیم۔ (انعام : ۱۶۵)

"وہی ہے جس نے تم کو زمین کے خلیفے بنایا اور تم میں سے بعض کے درجات بعض پر بلند کئے تاکہ وہ

تمہیں اپنی عطا کردہ (فضیلت کی چیزوں) میں آزمائے۔ (مگر اس کی عدول حکمی کی بنا پر) تمہارا رب بہت جلد عذاب دینے والا ہے اور اسی طرح وہ (رجوع و انابت کرنے والوں کے لئے بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔"

ان آیات میں خلافت اور اس کی ذمہ داریوں پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے ور بتایا گیا ہے کہ یہ خلافت مسلم قوموں کے لئے ایک ابتلاء اور آزمائش ہے کہ اس میں کون پورا اور کھرا اترتا ہے پھر اس خلافت کے حصول کا راستہ بھی دکھاتے ہوئے ارشاد کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا بلکہ ان کو مختلف درجات میں تقسیم کر کے کسی کو مالدار بنایا ہے تو کسی کو غریب، کسی کو علم و فضل میں ممتاز کر دیا ہے تو کسی کو بے علم ہی رکھا ہے۔ کسی کو ہنر مند بنایا ہے تو کسی محض مزدور وغیرہ وغیرہ۔ تاکہ یہ تمام لوگ مل کر اپنی اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھا سکیں۔ اس اعتبار سے کار خلافت کی انجام دہی کے لئے سب سے بڑی ذمہ داری مالداروں، اہل علم اور ہنر مندوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ باہمی اتفاق و اتحاد کے ذریعہ اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہوں۔ اور ان ہنر مندوں میں سائنس داں اور مہندسین یا انجینئر وغیرہ سب شامل ہو سکتے ہیں اس اعتبار سے یہ آیت کریمہ عصر حاضر کے لئے ایک واضح لائحہ عمل طے کرتے ہوئے اپنی معجزانہ رہنمائی کا اظہار کر رہی ہے لہٰذا کار خلافت کی تکمیل کے لئے امت کے تمام بہی خواہوں کو متحد ہو جانا چاہیے۔

سلسلہ مطبوعات موتمر المصنفین (۲۹)

اقتدار کے ایوانوں میں
شریعت بل کا معرکہ

(مولانا سمیع الحق)

ملک کی تاریخ میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کا روشن باب 'ایوان بالا سینیٹ اور قومی سیاست میں نظام اسلام کی جنگ 'آغاز' رفتار کار 'صبر آزما مراحل کی لحہ بہ لحہ روئیداد اور مستقبل کے لائحہ عمل کے علاوہ خارجہ پالیسی 'عورت کی حکمرانی' جہاد افغانستان اور اہم قومی و ملی اور بین الاقوامی مسائل پر فکر انگیز گفتگو اور سیر حاصل تبصرے۔

ملنے کا پتہ : موتمر المصنفین' دارالعلوم حقانیہ ' اکوڑہ خٹک نوشہرہ

کرنل (ریٹائرڈ) محمد اعظم

دارالعلوم حقانیہ اور اس کے داعی

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا اللہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا اللہ

مساجد اور مدارس اسلامیہ نے مسلمان سلاطین کے عہد حکومت میں مسلم امہ کی تعلیم میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستان میں مسلم سلاطین کے عہد میں وہ مسلمان بچے جو قرآن کریم پڑھنے کیلئے مسجد کے مولوی صاحب کے پاس بھیجے جاتے تھے کہ وہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وہ بچہ جو مسجد مکتب میں قرآن پاک پڑھنے گیا بہت تھوڑی سی کوشش سے فارسی حروف تہجی پڑھ لیتا تھا۔ فارسی اس وقت سرکاری زبان تھی اور اس کا سیکھنا چنداں مشکل نہ تھا۔ انہی وجوہات کی بنا پر اس زمانے میں مسلمانوں میں تعلیم کی اوسط تقریباً ۶۰ فیصد کے لگ بھگ تھی جو کہ انگریزوں کے عہد حکومت میں ۱۶ فیصد اور آجکل ۴۵ فیصد ہے۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مسلم طلبہ دارالعلوم کو بھیجے جاتے تھے۔ جو کہ مختلف اہم مقامات پر ملک کے اندر قائم کئے جاتے تھے۔ یہ دارالعلوم اپنے وقت کے معروف علماً کے زیر نگرانی چلتے تھے اور طلبہ کو مفت خوراک ٗرہائش کے علاوہ مفت تعلیم بھی مہیا کرتے تھے۔ جس میں متفرق مذہبی اور دوسرے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ ہندوستان میں رہنے والے ہندوؤں کی تعلیمی حالت یوں نہ تھی بلکہ بے حد ابتر تھی کیونکہ ہندو مذہب میں گیتا اور ویدوں کا پڑھنا صرف برہمن کا حق تھا اس سے کم کسی دوسرے درجے کے ہندو کو کسی مذہبی کتاب کو ہاتھ لگانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ نچلے درجہ کے ہندو شودھر کو گیتا اور وید کے اشلوک سننے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ پڑھنا لکھنا صرف برہمن ہی کا حق سمجھا جاتا ہے۔ ان حالات میں ہندوؤں کی تعلیمی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہونا چاہیے۔

اس زمانے میں مسلمانوں نے ہندو بچوں کو مسجد مکاتب میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور ہندوستان بھر میں ہزاروں ہندو طلباً مسجد مدارس اور دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے مسلمانوں کی مذہبی رواداری ٗکشادہ دلی اور مساوی سلوک کا اندازہ اسی ایک بات سے لگ جانا چاہیے کہ مسلمانوں کی حکومت نے ہندوؤں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اپنے بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ کپڑے کا ایک ہندو بیوپاری جس کا تعلق اکوڑہ سے تھا مسجد مدارس میں طلباً کو مثنوی مولانا روم پڑھایا کرتا تھا سعدی کی گلستان اور بوستان ہم نے خود ہندوؤں کی زبانی سنی ہے جو انہوں نے ظاہر ہے کسی مسجد مکتب کے استاد سے ہی پڑھی ہو گی۔ وقت وقت کی بات

ہے ۔ اپنے بچپن میں اپنی دادی نانیوں کو اخبار اور کتابیں پڑھتے ہوئے دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی تھی کہ پرانے زمانے میں جب گاؤں میں لڑکیوں کے سکولوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا انہوں نے لکھنا پڑھنا کہاں سے سیکھا بڑی حد تک ان کی تعلیم کا منبع قرآنی قاعدہ اور قرآن کریم کی تعلیم تھا جس نے انہیں لکھنا پڑھنا سکھا دیا۔ ظاہر ہے اس میں ان کی اپنی دلچسپی اور ہمت بھی شامل رہی ہو گی۔ مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہندوستان میں گویا معاشرتی قدریں تبدیل ہو گئیں اور انگریز اپنا نظام تعلیم لے آئے۔ تاکہ ہندوستانیوں میں ایک ایسا طبقہ معرض وجود میں لا سکیں جو کہ ان کے انتظامی امور مملکت چلانے میں ان کی مدد کر سکے اور ان کا وفادار بھی ہو۔

ہندو چونکہ تعلیم کے میدان میں شدید محرومی کا شکار تھے اس لئے انگریزی تعلیم کے لئے سب سے پہلے لبیک انہوں نے کہا مسلمان چونکہ حکومت کھو چکے تھے اور انگریزوں کو غاصب سمجھتے تھے اس لئے وہ انگریزی تعلیم سے دور رہے اور ان کی توجہ کا مرکز مسجد مکتب اور دارالعلوم ہی رہے۔ انگریزی تعلیم سے مسلمانوں کی یہ نفرت بیسوی صدی کے شروع تک رہی اس میں کچھ کمی سر سید کی تحریک انگریزی پڑھو کے بعد آئی مگر مسلم علماً سر سید سے متفق نہ ہوئے اور ملک میں مختلف مقامات پر دارالعلوم کی جاری تعمیر و تاسیس اس بات کی شاہد ہے کہ مسلم علمائے دین انگریزی حکومت سے بر سر پیکار رہے تاکہ اپنی مذہبی ' معاشرتی ' معاشی اور ثقافتی ورثے اور روایات کی حفاظت کر سکیں جو کہ مغربی تہذیب کے سیلاب میں تباہ ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھیں ہندوستان کے بٹوارے کے بعد اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک پاکستان کے لئے ایسے اداروں کی اشد ضرورت محسوس کی گئی کیونکہ مغربی اثرات کے آگے بند باندھنے کی ضرورت نہ صرف موجود تھی بلکہ بڑھ گئی تھی۔

اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے پاکستان بننے کے بعد پہلا ادارہ جو قائم ہوا وہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تھا۔ جس کے داعی مولانا عبدالحق" جو دیوبند کے فاضل تھے اور وہاں ۱۹۴۷ء تک پڑھاتے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد جب سفر کی آسانیاں اور سہولتیں ختم اور سفری مشکلات پیدا ہو گئیں تو مولانا صاحب کو مجبور کیا گیا کہ وہ دیوبند کے طرز پر ایک دارالعلوم اکوڑہ میں بھی شروع کریں۔ لہذا ستمبر ۱۹۴۷ء میں اپنے گھر کے نزدیک گاؤں کی مسجد میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے آٹھ طلباً کو انہوں نے درس دینا شروع کیا جس کی تعداد ۱۹۴۸ء میں ۳۲ تک پہنچ گئی اور سال بہ سال بڑھتی گئی جب کہ ضرورت ایسے انتظامات کی پیدا ہوئی کہ علیٰحدہ کلاس روم اور رہائش کا بندوبست کیا جائے۔ تاکہ دور دراز سے آنے والوں طالب علموں کے لئے قیام ممکن ہو سکے۔ لہذا گاؤں کی حدود میں ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ء کو بر لب جی ٹی روڈ دارالعلوم حقانیہ کا سنگ بنیاد ڈیڑھ ایکڑ زمین پر رکھا گیا جو آج نصف صدی گزرنے کے بعد ایک بہت بڑے کمپلیکس یا اکیڈمی کا روپ دھار چکی ہے جس میں ایک ہزار طلباً کے لئے ہائی سکول ' درس نظامی کے طلبہ جن کی تعداد ایک وقت میں ۲۵۰۰ کے لگ بھگ ہوتی ہے کی مفت

تعلیم، رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست موجود ہے۔ یہ بات باعث دلچسپی ہوگی کہ پاکستان کی کسی حکومت نے آج تک اس دار العلوم کی کوئی مالی مدد نہیں کی۔ بلکہ پچھلے پچاس سال سے یہ ادارہ صاحبِ ثروت لوگوں کے عطیات پر چل رہا ہے۔ اس وقت دار العلوم میں کمپیوٹر کی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ دار العلوم حقانیہ اب اسلامی یونیورسٹی کا مقام حاصل کر چکی ہے اور اس کی موجودہ حیثیت مغرب کے پہلو میں ایک مستقل کانٹے کی طرح چبھ رہی ہے۔

اس وقت دار العلوم میں ۲۰ سٹاف کوارٹر ایک لائبریری، ایک دار الحفظ، ایک باقاعدہ شائع ہونے والا ماہانہ مجلہ "الحق" ای میل اور ویب سائٹ کی سہولتیں بھی موجود ہیں۔ ویب سائٹ ابھی زیر ترتیب ہے۔ جس میں تمام تفاصیل مہیا ہوں گی۔ اساتذہ کی تعداد ۲۲ ہے۔ اساتذہ کے لئے ۴۰ کوارٹر پر مشتمل ایک سٹاف کالونی زیر تجویز ہے۔ جس کی تعمیر پر ۸۰ لاکھ روپے خرچہ آئے گا۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر — نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام — جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام

میں نہیں کہہ سکتا مسجد قرطبہ میں صدیوں بعد اذان دینے اور دو رکعت نفل نماز ادا کرتے وقت علامہ اقبال کے سامنے وہ کون سی مردان خدا شخصیات تھیں جنہوں نے علم و آگہی کے سوتے مسجد قرطبہ کی صورت میں نقش دوام بنا کر چھوڑے اور پھر ان سے مسجد قرطبہ جیسی عظیم الشان عمارت بنوائی اور علامہ اقبال سے مسجد قرطبہ جیسی شہرۂ آفاق نظم لکھوائی۔ میں جب بھی علامہ کی نظم مسجد قرطبہ پڑھتا ہوں۔ مولانا عبدالحق ؒ کی شخصیت میرے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے ۔ قارئین سے ملتمس ہوں کہ وہ بال جبریل میں شامل علامہ اقبال کی نظم مسجد قرطبہ ایک بار پھر غور سے پڑھیں اور ان مردان خدا کو تلاش کریں جن کا ذکر علامہ اقبال نے کیا ہے۔

عشق کا لفظ علامہ اقبال نے مسجد قرطبہ میں چودہ بار استعمال کیا ہے۔ عشق کا لفظ علامہ اقبال کے کلام میں سینکڑوں بار آیا ہے۔ علامہ کے نزدیک عشق ایک آفاقی جذبہ ہے جو اعلیٰ اور ارفع مقاصد کے حصول کیلئے کار آمد یکسوئی اور جدوجہد کے لئے درکار ہوتا ہے اور اس کے بغیر کوئی بڑے مقاصد حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ لفظ عشق کے مجموعی اصطلاحی معنی کمٹ منٹ 'لگاؤ'،'لگن' حصول مقصد کے لئے فرزانگی یا جنون لئے جاسکتے ہیں۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک معاصر مذہبی مکتب کے معاصر مجلّے کے ایک مضمون میں صاحبِ مضمون نے عشق کے ڈانڈے جنسی ترغیبات سے جاملائے ہیں' جو عربی لفظ عشق کے لغوی معانی کے لحاظ سے ٹھیک ہو تو ہو ہماری سوچ کے مطابق اس لفظ کو اس طرح غیر محترم گردانا یا بے توقیر کرنا شاید درست نہیں۔ ممکن ہے عربوں کے نزدیک عشق کا لفظ زیادہ باوقار اور محترم نہ ہو لیکن ہمارے ہاں اسے عربی لغت کے معنوں میں نہیں برتا گیا بلکہ اس کی توقیر کی گئی ہے اور اردو شاعری نے اسے ایک باوقار معانی عطا کئے ہیں۔ جو تصوف و طریقت

صوفیان کرام اور علمائے عظام، مجاہدین اور اسلام کے دوسرے شعبوں سے سراسر زیادتی کے مترادف ہے۔ گو یہ لفظ قرآن اور حدیث میں کہیں استعمال نہیں کیا گیا پھر بھی اس کو اس طرح بے وقار کرنا مناسب نہیں جبکہ صوفیان کرام اور اولیائے اللہ اسے برتتے رہے۔ اس مضمون کو میں تنگ نظری کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔ عشق وہ نیک اور مستحسن جذبہ ہے جو آتش نمرود میں کود جانے کو بھی کار ثواب اور عین عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ علامہ کہتے ہیں عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام۔ عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ۔ عشق خدا کا کلام، عشق خدا کا رسول۔ مختصراً کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مولانا عبدالحقؒ سے یہ کام ان کی مقصد سے لگن یا دوسرے لفظوں میں دین سے عشق نے کروایا۔ بقول علامہ اقبال ؎

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل — وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز — خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز — اس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دل نواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو — رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

چونکہ مجھے مولانا مرحوم کو قریب سے چند ایک بار دیکھنے کا موقع ملا ہے اس لئے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے علامہ اقبال نے یہ نظم مولانا عبدالحقؒ جیسے کسی مرد خدا کو ذہن میں رکھ کر لکھی ہے۔

مولانا مرحوم حسین و جمیل نورانی چہرہ رکھتے تھے، نہایت نرم گفتار اور درویش منش عالم تھے گو انہوں نے گوشہ نشینی اختیار نہیں کی اور ملکی سیاست میں کھل کر حصہ لیا وہ تین بار نوشہرہ تحصیل کے اپنے حلقے سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۰ء میں وہ پشاور ہسپتال میں بیمار پڑے ہوئے تھے جب مولانا مفتی محمود مرحوم نے انہیں مجبور کر کے جمعیت العلمائے اسلام کے ٹکٹ پر نوشہرہ کے حلقے سے انتخاب لڑوایا۔ جس میں انہوں نے اجمل خٹک جنرل سیکرٹری عوامی نیشنل پارٹی، میاں جمال شاہ صدر نوشہرہ مسلم لیگ اور نصر اللہ خٹک وزیر اعلیٰ سرحد وغیرہ جو ان کے مدمقابل امیدوار تھے، ہرادیا جس پر بھٹو صاحب نصر اللہ خٹک سے ناراض ہوئے کہ وہ وزیر اعلیٰ ہو کر کیوں ہار گئے اور اپنے چیئرمین والا کام جو اس نے مولانا جان محمد عباسی کے ساتھ کیا تھا کیوں نہیں کر سکے۔ دروغ برگردن راوی سنا ہے خٹک صاحب نے کہا کہ جناب آپ نے مجھے ایک (پیغمبر) العیاذ باللہ کے مقابلے میں کھڑا کیا تھا پیغمبروں کو کون ہرا سکتا ہے۔ 1985 میں مولانا منتخب ہو کر قومی اسمبلی پہنچے تو انہیں یہ اعزاز حاصل تھا کہ انہوں نے قومی اسمبلی میں موجود سب ممبروں سے زیادہ ووٹ حاصل کئے تھے۔ 1973ء کے آئین کی ترتیب و تدوین میں تقریباً 200 مختلف ترمیمات مولانا صاحب نے آئین کے ڈرافٹ میں پیش کی تھیں جو کہ شامل کر لی گئیں۔ اور آج آئین پاکستان کا حصہ ہیں۔

کہتے ہیں انقلاب فرانس کے لئے ۱۰۰ فیصد کریڈٹ روسو اور والٹر کی تعلیمات کو جاتا ہے انقلاب افغانستان اور افغان جہاد کے محرک سو فیصد پاکستان کے اسلامی دار العلوم تھے افغان جہاد کے ۔لئے تمام لیڈر شپ انہی اسلامی مدارس نے مہیا کی اور مجاہدین کی ایک بڑی تعداد انہی مدارس کے طلباً پر مشتمل تھی جن میں اکثریت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ کی شاگرد رہی تھی اور جہاد افغانستان کے اکثر بڑے قائدین 'دار العلوم حقانیہ کے فارغ التحصیل تھے سینکڑوں طلباً جنہوں نے افغان جہاد میں حصہ لیا۔ اور شہادت کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ موجودہ طالبان حکومت کا تقریباً ۹۰ فیصد وزراً اور افغان عدلیہ عالیہ کے ممبر دار العلوم حقانیہ کے سابق طلباً ہیں اگر یہ کہا جائے کہ بے دین روسی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اسلامی مدارس پاکستان کی تعلیمات کا کتنا بڑا ہاتھ تھا۔ تاریخ نے اس کو رقم کر دیا ہے۔ اور آنے والا تاریخ دان ان بوریا نشینوں سے انصاف کرے گا جن کے عشق نے پہاڑوں سے ٹکرا کر ان کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔

وہ جوئے کہتاں اچکتی ہوئی
اٹکتی، لچکتی، سرکتی، ہوئی
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گرائی
پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں
رکے جب توسل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے

مولانا صاحب مرحوم عمر بھر حدیث کا درس دیتے رہے اس لئے محسن انسانیت حاملِ خلق عظیم کے اقوال سے ان کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا جس نے مولانا صاحب کی زندگی کو ایک مثالی مسلمان کی زندگی بنا دیا تھا۔ مولانا کی مذہبی خدمات کو نہ صرف قبول عام کی سند علاقے کے عوام کی طرف سے حاصل رہی بلکہ حکومت پاکستان بھی وقتاً فوقتاً اس کا مظاہرہ کرتی رہی۔ جب 1981ء میں صدر پاکستان کی طرف سے شیخ الحدیث کو ان کی مذہبی خدمات کے صلے میں ستارۂ پاکستان کا ایوارڈ پیش کیا گیا اور پھر پشاور یونیورسٹی کی طرف سے الوہیت یا Di-vinely کے مضمون میں خدار سیدہ عالم دین کے طور پر انہیں Ph.d. کی اعزازی ڈگری دی گئی۔ یہ ستمبر 1972ء کی بات ہے۔ یہ مرد حق اپنے عشق کی منزلیں طے کرتے ہوئے 7 ستمبر 1988 کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

مولانا اکرام اللہ جان قاسمی

عدم برداشت کا ابھرتا ہوا رجحان اور تعلیمات نبویؐ

عدم برداشت کا مفہوم :

اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں انسان کو جن عناصر اربعہ سے تشکیل دیا تھا ان میں سے ایک سورج کی تپش تھی اسی تپش اور گرمی نے انسان کی طبیعت میں حرارت اور غضب کا روپ دھار لیا اور یوں یہ فطرتاً ہر انسان میں موجود ہے۔

اگرچہ تمام انسانوں کی فطرت یکساں نہیں ہے اور اس لئے اختلاف طبائع کی وجہ سے اخلاقی استعدادیں اور نفسانی قوتیں یکساں نہیں ہیں بلکہ انسانوں میں سے بعض کمزور و پست ہمت ہیں تو کوئی قوی اور بلند حوصلہ' کوئی خاکسار اور متواضع ہیں تو کوئی مغرور اور خوددار' کوئی ڈرپوک اور بزدل ہیں تو کوئی نڈر اور بہادر' کوئی بردبار اور متحمل مزاج ہیں تو کوئی غصیلے اور غضبناک' تاہم غصہ اور غضب کا عنصر باوجود کمی بیشی کے ہر انسان میں موجود ہے۔

غضب کیا ہے ؟ یہ نفس اور طبیعت کے خلاف امور سامنے آنے پر مزاج میں غصہ اور ناپسندیدگی کے آثار پیدا ہونے' ان نامناسب امور کو ختم کرنے کے درپے ہونے اور ان کی مضرت سے اپنی مدافعت کرنے کا نام ہے۔ قوت غضب کے کمی وبیشی کے لحاظ سے دو مراتب ہیں ایک وہ ہے جو قابو میں رہے اور دوسرے وہ ہے جو قابو سے باہر ہو جائے اس دوسری قسم کو عدم برداشت کا نام دیا جاتا ہے۔

عدم برداشت کا قومی رجحان :

کسی ملک کے باسیوں کے لئے قومی سطح پر یعنی ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے بعض امور ناقابل برداشت ہوتے ہیں اور باوجودیکہ ان کا قومی و ملی مفاد و نقصان مشترکہ ہوتا ہے پھر بھی بعض اوقات ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار نظر آتے ہیں اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں کبھی مختلف زبانوں والے اس دنگل میں آکودپڑتے ہیں مثلاً پٹھان' پنجابی' سندھی اور بلوچی وغیرہ کہ ہر کوئی اپنی زبان پر فخر کرتا ہے اور دوسری زبان والوں کو پست اور

نیچی نگاہ سے دیکھتا ہے حالانکہ زبان تو محض اظہار خیال کا ذریعہ ہے اور عزت و شرافت کا اصل معیار انسان کا ذاتی بلند کردار اور اعلیٰ افعال و اعمال ہیں۔

قومی سطح پر عدم برداشت کا سبب کبھی قوم قبیلے بنتے ہیں یہاں بھی نسبی تفاخر اور قومی تعصب کارفرما ہوتا ہے بے جا طور پر اپنے قوم قبیلے کو اونچا خیال کرنا اور دوسروں کو قومیت کی بنیاد پر ذلیل سمجھنا اس لحاظ سے بھی خلاف عقل ہے کہ کسی انسان کا کسی قوم یا قبیلہ میں پیدا ہونا اس کے حق میں غیر اختیاری چیز ہے اگر اللہ چاہتا تو اسے اس سے کم حیثیت والے قوم قبیلہ میں پیدا کرتا تو پھر کیا وہ ماتم کرتا اور اپنا سر منہ پیٹتا؟

عدم برداشت کے اسباب کبھی فروعی مذہبی مسائل اور مسلکی گروہ بندیاں بنتی ہیں لیکن مذہبی زعماً اگر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دین اسلام کے اصول و مبادی ایک ہی ہیں جن پر سب متفق اور متحد ہیں اور ان میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے رہے فروعی اور جزوی مسائل تو ان میں اختلاف کرنا کوئی ایسی بات نہیں جو ایک انسان کو مذہب سے نکال کر کافر ٹھہرا دے اس قسم کے اختلافات تو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی موجود تھے پھر بھی ان حضرات کا اتفاق و اتحاد ضرب المثل تھا لہذا کیا یہ ممکن نہیں کہ ان حضرات کی پیروی میں فروعی اختلافات کے باوجود تمام مسلمان جسد واحد کی طرح متحد ہوں؟

اس طرح عدم برداشت کے مظاہر کبھی صوبائی عصبیت کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ کہتے ہیں "ہمارا تعلق فلاں صوبے کے ساتھ ہے اور ہم ایسے ایسے ہیں" حقیقت کی آنکھ سے کوئی نہیں دیکھتا کہ کس کا تعلق کسی بھی صوبہ کے ساتھ ہو' سب ایک ہی ملک کے باسی ہیں اور سب ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء کی مانند ہیں' اگر کسی جسم کی آنکھ فخر کرنا شروع کر دے کہ میرا مقام سر میں ہے اور میرا یہ یہ کردار ہے جو کسی دوسرے عضو کا نہیں تو کیا یہ عقلمندی کی بات ہے؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ ہر عضو کا اپنا اپنا کردار ہے اور سب کا نفع و نقصان مشترک ہے تاہم یہ حقیقت بجائے خود قائم ہے کہ قومی سطح پر صوبائی عصبیت کو ہوا دینے والے اسباب کبھی ارباب حل و عقد کے روا کردہ ظالمانہ امور ہوتے ہیں کہ ایک صوبہ کے حقوق غصب کر کے دوسرے صوبہ کو دے دیتے ہیں اور کسی ایک صوبہ کو قصداً عمداً پست رکھتے ہیں ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ملک کے ارباب بست و کشاد عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اور وہ تمام رعایا اور ملک کے تمام حصوں کو ایک ہی نظر سے دیکھیں۔

عدم برداشت کا بین الاقوامی رجحان :

عدم برداشت کے بعض مظاہر عالمی سطح پر سامنے آتے ہیں جن کی وجہ سے ایک ملک دوسرے ملک کے خلاف یا کئی ممالک دوسرے کئی ممالک کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں اس کے بھی کئی وجوہات و اسباب

ہوتے ہیں۔ کبھی تو مذہبی چپقلش اس سلسلے میں عدم برداشت کا ذریعہ بنتی ہے اور ہم عملاً دیکھتے ہیں کہ اگر ایک ملک توحید کا پرستار ہے اور دوسرا شرک کا دلدادہ ہے تو عموماً عقیدہ کی بنیاد پر ان کے آپس میں یا تو لڑائیاں ہوتی ہیں یا ایک دوسرے کے خلاف ایسے افعال واطوار اپناتے ہیں جس سے عدم برداشت کے رجحان کو ہوا ملتی ہے۔

ممالک کے درمیان عدم برداشت کا ایک ذریعہ سیاسی تعلقات کی عدم استواری ہوتی ہے اس سلسلے میں کبھی تو کسی ملک کی خارجہ پالیسی کے خدوخال ہی دوسرے ملک کی دشمنی اور رقابت پر مبنی ہوتے ہیں کبھی ماضی کے جنگ و جدل والے واقعات اور تعلقات کی سابقہ عدم استواری اس کا سبب بنتی ہے اور کبھی جدید جغرافیائی حالات اور ایک ملک کے توسیعی عزائم ان مخالف جذبات کو ہوا دیتے ہیں۔

موجودہ دور میں جبکہ کامیابی اور عزت کی معراج صرف مال و دولت کو سمجھا جانے لگا ہے مالی اور تجارتی برتری اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت کی بازی لے جانے کی کوشش عالمی سطح پر عدم برداشت کا ذریعہ بنتی جارہی ہے اس چیز نے پوری دنیا کو تین طبقوں میں تقسیم کردیا ہے یعنی ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک اور پسماندہ ممالک۔

ترقی یافتہ ممالک کا کردار زمین پر فرعون کے کردار سے کسی طرح کم نہیں۔ ترقی پذیر ممالک ترقی یافتہ بننے کی کوشش میں دن رات سرگرداں اور ہر جائز و ناجائز وسائل کو بروئے کار لانے میں مصروف ہیں۔ باقی رہے پسماندہ ممالک تو ذلت و پستی ان کا مقدر بن چکی ہے چاہے تو کوئی ایک ڈبل روٹی دے کر ان کا مذہب خرید لے او رچاہے تو دو چار روپے میں ان کی عزت و آبرو برباد کردے۔ اس طبقاتی کشمکش نے نازک صورت حال اختیار کرلی ہے اور اس کی وجہ سے عالمی سطح پر عدم برداشت کے کئی مظاہر سامنے آرہے ہیں۔

عدم برداشت کے عمومی اسباب و محرکات :

قومی وبین الاقوامی عنوان کے تحت عدم برداشت کے رجحان کے بعض اسباب کا تذکرہ ہو چکا مگر یہ جاننا ضروری ہے کہ عمومی اور انفرادی طور پر وہ کون سے اسباب اور محرکات ہیں جن کے وجود میں آنے سے ایک انسان عدم برداشت کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی نہ صرف یہ کہ اپنے حق یا اپنی عزت کے تحفظ کے لئے کمربستہ ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات انصاف و عدالت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر ظلم و بربریت پر آمادہ ہو جاتا ہے یہ اسباب و محرکات اجمالاً مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) خلاف فطرت وخلافِ طبیعت امور :

انسان کی فطرت ہے کہ جب فطرت و طبیعت کے موافق کسی امر کو کرتا ہوا پاتا ہے تو اس کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے اور جب کوئی کام فطرت کے منافی دیکھتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے پھر خلاف طبیعت کام کبھی تو

معمولی نوعیت کا ہوتا ہے اور کبھی برداشت سے باہر ہوتا ہے جسے انسان دیکھ کر عدم برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۲) عزت نفس کی مجروحی:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے عزت و شرافت دی ہے جب کوئی انسان اپنی عزت کو پامال ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس سے یہ صورت حال برداشت نہیں ہوتی اور وہ عدم برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۳) غصب حقوق:

انسان فطری لحاظ سے کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس کمزوری کی بنا پر ہر انسان دوسرے کے تعاون کا محتاج ہوتا ہے یہی تعاون ہر انسان کا حق بنتا ہے جس کی ادائیگی کا دوسرا انسان مکلّف ہے جب کوئی انسان دیکھتا ہے کہ اس کے حق کو غصب کیا جارہا ہے تو یہ حالت اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

(۴) خیانت اور بد دیانتی:

خیانت اور بد دیانتی برے اوصاف ہیں اور انسان کی طبیعت اسے ناپسند کرتی ہے جب کسی انسان کے ساتھ خیانت کی جائے اور بد دیانتی سے کام لیا جائے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا اور یہ چیز عدم برداشت کا محرک بن جاتی ہے۔

(۵) غداری اور دغابازی:

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسکے ساتھ صاف صاف معاملہ کیا جائے اور فریب' دھوکہ دہی اور غداری و دغابازی سے بچا جائے۔ جب کسی انسان کے ساتھ کسی دوسرے شخص کی طرف سے یہ مکروہ صورت حال پیش آتی ہے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا اور بعض اوقات اپنے آپے سے نکل کر عدم برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۶) ظلم اور بربریت:

ہر انسان عدالت و انصاف کا خواہاں اور ظلم و بربریت سے گریزاں رہتا ہے اگر کہیں کسی انسان پر ظلم ہوتا ہے اور بربریت کا شکار ہوتا ہے تو یہ صورتِ حال اس سے کسی طرح برداشت نہیں ہوتی اور وہ اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہوا آمادہ پیکار بن جاتا ہے۔

(۷) بغض و عداوت:

ہر انسان دوسرے انسان کی دوستی چاہتا ہے اور خواہاں رہتا ہے کہ دوسروں کے دل میں اس کے لئے اچھے جذبات قائم ہوں لیکن اگر کوئی شخص کہیں اس کے خلاف دل میں کدورت رکھتا ہے اور دشمنی پر اتر آتا ہے تو

جواباً یہ بھی اس شخص کے لئے عداوت پر مبنی جذبات کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۸) غیبت اور چغل خوری :

ہر انسان میں کمزوریاں ہوتی ہیں اور ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی کمزوریوں پر پردہ پڑا رہے جب کوئی انسان ان کمزوریوں کو دوسروں تک منتقل کرتا ہے تو یہ امر غیبت اور چغل خوری کی صورت اختیار کرتا ہے اور انسان کی قوت غضب کو للکارتا ہے۔

(۹) بہتان طرازی :

بعض اوقات کسی انسان پر ناکردہ گناہ کی صورت میں بھی باتیں بنتی ہیں اور دوسروں تک منتقل ہوتی ہیں جب متعلقہ شخص کو علم ہوتا ہے تو سخت ناراض اور سیخ پا ہوتا ہے یوں یہ صورت حال عدم برداشت کا سبب بنتی ہے۔

(۱۰) جھوٹ :

جھوٹ ایک انتہائی برا وصف ہے اور یہ قول کے علاوہ انسان کے عمل و کردار کو شامل ہے یہاں تک کہ ہر خلاف حقیقت چیز جھوٹ کے زمرہ میں آتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی جھوٹا معاملہ نہ کیا جائے لیکن اگر کہیں ایسی صورت حال پیش آتی ہے کہ کوئی انسان جھوٹ کا شکار بنتا ہے تو اس سے یہ حالت کسی طور پر برداشت نہیں ہوتی۔

(۱۱) وعدہ خلافی :

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ جو وعدہ کیا جائے وہ بروقت اور صحیح طریقہ پر پورا ہو اگر کہیں وعدہ خلافی کی صورت بنتی ہے تو یہ انسان کے عدم برداشت کا ذریعہ بنتی ہے۔

(۱۲) بے حیائی :

شرم و حیا ایک عمدہ وصف ہے اور ہر ذی شعور و باعزت انسان کا لباس ہے اگر کوئی انسان اس لباس کو اترتا ہوا دیکھتا ہے تو سیخ پا ہوتا ہے اور اس سے یہ صورت حال برداشت نہیں ہوتی۔

(۱۳) فحش گوئی :

خوش گفتاری انسان کا زیور ہے اور بدگفتاری بداخلاقی کا پیش خیمہ ہے۔ دنیا کے بیشتر لڑائی جھگڑے بدگفتاری کے باعث چھڑتے ہیں جب کسی انسان کے سامنے گندی اور غلیظ زبان استعمال ہوتی ہے تو وہ غیظ و غضب میں آکر عدم برداشت کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۱۴) دو رخاپن :

دو رخاپن منافقت کا دوسرا نام ہے اگر کوئی شخص کسی کے سامنے اس کی اچھائی اور دوسرے کی برائی بیان کرتا ہے اور پھر دوسرے کے پاس جا کر اس کی اچھائی اور پہلے والے شخص کی برائی بیان کرتا ہے تو یہ دو رخاپن ہے اور صاف طبیعت کا مالک ایسے انسان کو سخت ناپسند کرتا ہے بعض اوقات یہ صورت حال عدم برداشت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

(۱۵) بدگمانی :

بدگمانی، سوءِ ظن اور تجسس بری صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ بعض اوقات بدگمانی خواہ مخواہ الزام تراشی اور بہتان طرازی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور ایسے جذبات ابھر آتے ہیں جو برداشت سے باہر ہوتے ہیں۔

تحمل اور برداشت کے بارے میں اسلام کے حکیمانہ اصول

غصہ و غضب ایک انسانی فطری چیز ہے اس کے بارے میں اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ اس عنصر کو انسانی طبیعت سے بالکل ختم کرنا نہیں چاہیے بلکہ اسے قابو میں رکھ کر عقل کے ماتحت رکھنا چاہیے کیونکہ قوت غضب اگر افراط و تفریط سے پاک ہو اور عقل کے قابو میں ہو تو اس کا نام شجاعت ہے اور یہ دلیری، آزادی، حق گوئی، بلند ہمتی، بردباری، استقلال، وقار، صبر و سکون، جہد مسلسل اور جہاد وغیرہ کی صورتوں میں مختلف روپ دھارتی ہے اور اگر یہی قوت حد اعتدال سے زیادہ ہو جاتی ہے تو اس سے غرور و نخوت، خود پرستی، تکبر، تحقیر، ظلم اور غارتگری کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہی قوت اگر کم ہو کر کمزور پڑ جاتی ہے تو اس سے ذلت و پستی، کم حوصلگی، خوف اور دناءت کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس عنصر کو بالکل ختم کرنے کی تعلیم نہیں دی ہے بلکہ دبانے اور قابو میں رکھنے کی تاکید کی ہے چنانچہ قرآن کریم نے الکاظمین الغیظ کہہ کر غصہ پی جانے والوں کی تعریف کی ہے۔ الفاقدین الغیظ (غصہ ختم کرنے والوں) کی تعریف نہیں کی۔ اس طرح بعض مقامات پر غصہ مطلوب و محمود ہوتا ہے چنانچہ مسلمانوں کی تعریف جہاں رحماء بینھم سے کی ہے وہاں اسدأ علی الکفار بھی قابل تعریف چیز گردانی گئی ہے اور جہاں اذلة علی المومنین کہہ دیا ہے وہاں اعزہ علی الکافرین بھی اچھی صفت بتائی گئی ہے۔ یہاں تک کہ خدا کے دین کے معاملہ میں خالص سخت گیری کو واشدھم فی امر اللہ عمر کہہ کر طرہ امتیاز بتایا گیا ہے۔

اسلام سے قبل مذاہب میں قوت غضب کو انسانی طبیعت سے بالکل محو کرنا ایک ضروری اخلاقی قدر خیال کیا جاتا تھا بلکہ مذہب کی پوری چکی اس کے گرد گھومتی تھی مثلاً بدھ مت اور عیسائیت اس سلسلے میں آگے

نظر آتے ہیں چنانچہ انجیل متی میں ہے :

"میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مار دے تو دوسرا بھی اس کے طرف پھیر دے۔(۱)

اس میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اپنا بدلہ نہ لینا چاہیے مگر آگے مارنے والے کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے عیسائیت اپنی تمام تر اخلاقی تعلیمات کے ساتھ اس بارے میں خاموش ہے۔ اسلام نے اپنی ذات کے معاملہ میں بدلہ لینے کا اصول بتاتے ہوئے اس سے کہیں بڑھ کر تعلیم دی ہے اور بتایا کہ جس نے تیرے ساتھ برائی کی تو جواب میں اس کے ساتھ اچھائی کر إدفع باللتی ھی احسن اور فرمایا أحسن الی من اساء الیك۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جہاں اپنی ذات کا تعلق ہو زیادتی کرنے والے کو نہ صرف معاف کرنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا چاہیے البتہ جہاں دین اور خدا اور رسول کا معاملہ ہو وہاں غصہ و سخت گیری مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔

عدم برداشت کا رجحان اور تعلیمات نبویؐ :

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو حسن اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز فرمایا تھا قرآن پاک میں ارشاد ہے وانك لعلی خلق عظیم (۲) اور اس لئے مسلمانوں کو آپؐ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ (۳) بے شک تمہارے لئے رسول اکرمؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ جب ہم رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ اشاعتِ دین کے سلسلہ میں مصائب و تکالیف سے پر نظر آتی ہے۔ قریش مکہ نے آپؐ کو ستایا گالیاں دیں، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں گرائیں، جادوگر، مجنون اور نہ جانے کیا کیا نام دیئے اور قتل کے منصوبے بنائے مگر تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ نے اپنی ذات کیلئے کبھی کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا۔(۴)

عفوودرگزر دراصل اس وقت صحیح معانی ہے جب دشمن گرفت میں ہو اور وہ بے بس و مجبور ہو، فتح مکہ کے بعد کفار و مشرکین کا خیال تھا کہ اب ہم میں سے کسی کی خیر نہیں اس لئے کہ وہ کون سی کسر تھی جو انہوں نے رسول اکرمؐ کو تکلیفیں دینے میں روا نہیں رکھی تھی مگر رسول اکرمؐ نے اعلان فرمایا لاتثریب علیکم الیوم۔ ادھبوا فانتم الطلقأ (۵) آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ آپؐ کے چہیتے چچا حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بن حرب فتح مکہ کے بعد طائف بھاگ گیا مگر جب اہل طائف نے بھی اسلام قبول کیا تو وحشی کے لئے جائے پناہ نہیں رہی اور جب مجبوراً دربار نبوت میں اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوا تو حضورؐ

نے اس کا اسلام لانا قبول فرما کر سب کچھ معاف فرما دیا(۱۶) ابو سفیان کی بیوی ھند اسلام لانے سے قبل سخت ترین دشمنِ اسلام تھی اسی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کروا کر ناک کان کٹوائے' سینہ چاک کرایا اور دل و جگر نکلوا کر کچا چبایا۔ فتح مکہ کے دن آپؐ کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرتے وقت بھی آداب مجلس کے خلاف بعض باتوں میں بے باکی کا اظہار کیا مگر حضورؐ مسکرا دیئے اور اس کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔(۷)

اس طرح عکرمہ بن ابی جہل اسلام لانے سے قبل باپ کی طرح سخت ترین دشمن اسلام تھے۔ فتح مکہ کے دن خوف کے مارے بھاگ کر یمن چلے گئے مگر اس کی بیوی نے جو مسلمان ہو چکی تھی حضورؐ سے عکرمہ کے لئے امان طلب کیا اور عکرمہ جب دربارِ نبوت میں پہنچے تو حضورؐ نے فرطِ خوشی سے اس کی طرف ایسے دوڑے کہ چادر مبارک جسم اطہر سے کھسک کر گر پڑی(۸) بدلہ لینے میں خوف خداوندی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار آپؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے لوگوں کا بہت ھجوم تھا ایک شخص آکر حضورر پر منہ کے بل گر گیا دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی آپؐ نے اس سے ٹھوکا دیا اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ پر لگ گیا اور خراش آگئی فرمایا مجھ سے اپنا بدلہ لے لو اس نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں نے معاف کر دیا (۹)

علم و برداشت کی یہی تعلیم آپؐ نے امت کو دی چنانچہ فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے' پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے(۱۰) نیز حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جو اپنا غصہ فرو کرے اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب ہٹا دیتے ہیں اور جو اپنی زبان کی حفاظت کرے اللہ اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرما دیتے ہیں(۱۱) نیز رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص حقدار ہونے کے باوجود جھگڑا کرنا چھوڑ دے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کے درمیان مین ایک محل بنا دیتے ہیں(۱۲) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرما دیجئے آپؐ نے فرمایا غصہ مت کیا کر۔ اس نے کئی مرتبہ یہ بات کہی آپؐ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کیا کر(۱۳) نیز رسول اللہؐ کا ارشاد ہے تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوقات میں سے محبوب ترین وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے(۱۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہے تھے پیچھے سے آنحضرتؐ کی آواز آئی حضرت ابن مسعودؓ متوجہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ جتنا قابو تم کو اس غلام پر ہے اس سے زیادہ خدا کو تم پر ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر آنحضرتؐ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے پھر کسی غلام کو نہیں مارا(۱۵)

ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! اپنے خادم کا قصور کتنا معاف کروں ؟ آپؐ خاموش رہے اس نے پھر پوچھا آپؐ نے فرمایا۔ روزانہ ستر مرتبہ۔ اس سے مراد تحدید نہیں بلکہ درگزر کی کثرت ہے(۱۶) بعض لوگوں کا

خیال ہے کہ اگر وہ بدلہ نہیں لیں گے تو ان کے رعب ووقار اور ادب میں فرق آجائے گا مگر آپؐ نے فرمایا جو شخص عفوودر گزر سے کام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتے ہیں (۱۷)

عام انسانوں کے بالمقابل یہود اسلام کے سخت ترین دشمن تھے ان سے اور دیگر کفار کے ساتھ حلم اور بردباری کے واقعات بھی آپؐ سے کثرت کے ساتھ منقول ہیں۔ ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ السام علیکم یعنی تم پر موت ہو۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں اور انہوں نے جواب میں کہا وعلیکم السام واللعنہ یعنی تم پر موت اور لعنت ہو۔ رسول اللہؐ نے سنا تو فرمایا کہ عائشہ! ٹھہر جاؤ خدا تمام کاموں میں نرمی کو پسند کرتا ہے (۱۸) حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کافر تھیں جہالت کی وجہ سے آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کرتی۔ ابوہریرہؓ نے خدمت اقدس میں عرض کی تو بجائے بددعا دینے کے آپؐ کے دست مبارک ہدایت کی دعا کے لئے اٹھ گئے (۱۹) ایک دفعہ ایک یہودی کا جنازہ گزر رہا تھا جنازہ آپؐ کے سامنے آیا تو آپؐ احترام آدمیت کی خاطر کھڑے ہو گئے (۲۰) ایک یہودی لڑکا آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضری دیا کرتا تھا ایک دفعہ وہ کئی روز تک نظر نہیں آیا آپؐ نے پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے آپؐ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے (۲۱) نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آپ سے کچھ معاملہ طلب کیا اور آپ کو بٹھا کر چلے گئے کہ حساب بے باق کر دیتے ہیں اتفاق سے وہ واپس آنا بھول گئے تین دن بعد وہاں سے گزر ہوا تو آپ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے آپؐ نے فرمایا کہ میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں بیٹھا ہوں (۲۲)

یہ اسلام ہی کا ظرف ہے کہ اس نے مسلم کافر اور مشرک تمام انسانوں کے ساتھ بلاامتیاز اچھا سلوک روا رکھنے کی تاکید کی ہے اور صراحت کی ہے لا یرحمه الله من الا یرحم الناس. یہاں مسلمین نہیں فرمایا بلکہ الناس کہہ کر تمام انسانیت کو اس میں شامل کر دیا۔

چنانچہ آج انسانیت اگر رسول اکرمؐ کے اسوہ واخلاق کو نمونہ بنا کر اس کے مطابق عمل کریں تو دنیا سے ساری اخلاقی برائیاں اور جھگڑے دور ہو سکتے ہیں اور عدم برداشت کا رجحان ختم ہو کر تحمل و برداشت کے جذبات پر مبنی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ انجیل متی ۵: ۲۹

۲۔ سورۃ النجم آیت ۴

(۳) سورۃ الاحزاب آیت ۲۱

۴۔ الذهبی محمد بن احمد شمس الدین: السیرة النبویة ،طبع ریاض ک ص ۳۲۰

۵۔ صفی الرحمان مبارکپوری: الرحیق المختوم ص ۵۵۱

۶۔ ابن کثیر: البدایہ والنہایۃ ج ۴ ص ۱۸۔ / البخاری: الجامع الصحیح ج ۲ ص ۵۸۳

۷۔ ابن کثیر: السیرہ النبویہ طبع القاہرۃ ج ۳ ص ۶۰۳ ۔ / الرحیق المختوم ص ۵۵۶

۸۔ محمد یوسف الکاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ ج ۱ ص ۱۵۶

۹۔ ابو داؤد ،الامام: سنن ابی داؤد ،طبع ملتان، ج ۲ ص ۲۷۶

۱۰۔ مسلم بن حجاج: الجامع الصحیح ،کتاب البر ،باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب

۱۱۔ الطبرانی فی الاوسط

۱۲۔ ترمذی: جامع الترمذی ،ابواب البر والصلۃ

۱۳۔ بخاری: الجامع الصحیح ،کتاب البر والصلۃ

۱۴۔ بیہقی، شعب الایمان

۱۵۔ ترمذی ،ابواب البر والصلہ ،باب ماجاء فی ادب الخادم ،

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ترمذی ،ابواب البر والصلہ ،باب ماجاء فی التواضع

۱۸۔ بخاری ،کتاب الادب ،باب الرفق فی الامر کلہ

۱۹۔ السیوطی ،الخصائص الکبریٰ ،طبع بیروت ،ج ۲ ص ۱۲۹

۲۰۔ بخاری ،ج ۱ ص ۱۷۵

۲۱۔ ایضاً ج ۱ ص ۱۸۱

۲۲۔ شبلی نعمانی ۔ سیرۃ النبی ج ۲ ص ۲۰۸

عبدالقہار پیرزادہ *

ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں دینی علوم کی ضرورت

ہمارا مروجہ نظام تعلیم ہمیں انگریزوں سے ورثے میں ملا تھا اور فطری طور پر یہ انگریزوں کے مقاصد کے حصول کیلئے بنایا گیا تھا۔ تعلیم کا فروغ کسی ملک اور قوم میں ذہنی بیداری 'بالغ نظری اور فہم و شعور کی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ فطری طور پر انگریزوں کو اس ملک میں با مقصد تعلیم کے فروغ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ برطانوی قبضے سے پہلے ہندوستان میں جو صحت مند اور ترقی پذیر نظام تعلیم تھا انگریزوں نے اسے بھی ختم کر دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں کو ان کے مذہب 'روایات 'اور اقدار سے بے گانا کر کے انہیں ذہنی طور پر مفلوج کر دیا جائے اور دوسری طرف نئی تعلیم کے ذریعہ کلرکوں کا ایک گروہ تیار کیا جائے جو ہندوستان میں برطانوی انتظامیہ کے کل پرزوں کے طور پر انگریزوں کے مقاصد کے لئے ان کی خدمت کر سکے۔ لارڈ میکالے نے اپنی معروف تعلیمی سفارشات میں واضح طور پر کہا کہ ہمارا مقصد ایسے تعلیم یافتہ افراد پیدا کرنا ہے جو اپنی نسل اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں مگر ذہن اور فکر کے اعتبار سے انگریز ہوں۔ بقول علامہ اقبال :ے

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

یہ ہماری بد قسمتی تھی کہ انگریز اس سازش میں کامیاب ہوا اور انگریزی تعلیم کے برے اثرات اپنا رنگ دکھانے لگے اور تعلیم بدل جانے سے دل بھی بدل گئے۔ مسلمان زعماء پر جلد ہی جدید تعلیم کی حقیقت کھل گئی۔ مولانا شبلیؒ نے انگریزی درس گاہوں کے بارے میں لکھا :

"معلوم ہوا انگریزی خواہ قوم نہایت مہمل فرقہ ہے۔ مذہب کو جانے دو' خیالات کی وسعت' سچی آزادی' بلند ہمتی اور ترقی کا جوش برائے نام نہیں۔ یہاں ان چیزوں کا ذکر نہیں آتا۔ بس خالی کوٹ پتلون کی نمائش گاہ ہے" جدید تعلیم کی اولین درسگاہ علی گڑھ تھی اور اس کے بانی اور انگریزی تعلیم کے سب سے بڑے علمبردار اور حامی سر سید احمد خان نے خود آخری عمر میں جدید تعلیم سے اپنی مایوسی اور بیزاری کا اعلان ان الفاظ میں کیا۔

"تعجب ہے کہ جو تعلیم پاتے جاتے ہیں اور جن سے قومی بھلائی کی امید تھی' مادہ پرست اور بدترین قوم

* متعلم دارالعلوم حقانیہ 'B.A (Honrs) شیخ زید اسلامک سنٹر ' ایم اے یونیورسٹی آف پشاور

ہوتے جاتے تھے"۔

یہی تعلیم تھی جس کے زور سے انگریزوں نے ہمارے ذہنوں کو ایسا مفلوج کر دیا کہ ہم برس ہا برس تک ان کی غلامی کے چنگل میں پھنسے رہے۔ ہمیں آزادی ملی مگر مغرب کی غلامی سے ابھی تک نجات نہیں پا سکے ہیں۔

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر بدقسمتی سے آزادی کے بعد بھی ہماری مقلدانہ ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور نہ اسلامی مقاصد کا تعین کیا گیا اور نہ ہی اس کی بنیادوں میں تبدیلی کا کسی کو خیال آیا۔ کئی بار تعلیمی کمیشن قائم ہوئے۔ تعلیمی سفارشات مرتب ہوئیں، نصابات میں تبدیلیاں کی گئیں مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ البتہ یہ تبدیلی ضرور ہوئی کہ "اسلامیات" کو بطور ایک مضمون پڑھایا جانے لگا ہے مگر ایک ایسے نظام تعلیم میں جس کی بنیاد فرنگیوں نے رکھی اور جس کے مقاصد سراسر حاکمانہ اور استبدادی تھے۔ اسلامیات یا مذہب کی تعلیم ٹاٹ کے لباس میں مخمل کے پیوند کے مترادف ہے۔ اکبر الہ آبادی کے بقول ؎

نئی تعلیم میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے

مگر یوں ہے کہ گویا آبِ زمزم میں ےَ داخل ہے

اس برائے نام مذہبی یا اسلامیات کی تعلیم سے کوئی خاطر خواہ اور مثبت نتیجہ نہیں نکل سکا۔ پاکستان کی موجودہ ابتر صورتحال اس کا واضح ثبوت ہے۔ مشرقی پاکستان ہم سے کیوں الگ ہوا؟ اس لیے کہ ہمارے نظام تعلیم میں ایک اسلامی ملک کے اساسی تقاضوں کو پورا کرنے کا کوئی اہتمام موجود نہیں تھا۔ ایک نظریاتی قوم کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہمارا نظام تعلیم بانجھ ثابت ہوا ہے یہ نہ تو ہماری نظریاتی اسلامی اور دینی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور نہ مادی اور دنیاوی اعتبار سے ہمارے لیے کچھ زیادہ فائدہ مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہر طرف اعلیٰ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی کثرت نظر آتی ہے۔

موجودہ ملکی صورتحال نظام تعلیم میں دنیاوی علوم کی ضرورت کا تقاضا کرتی ہے۔ تاکہ ہمارے ملک میں سارے مسلمان اس نظام سے مستفید ہو سکیں۔ تعلیمی نظام میں دینی علوم کے لیے چند اہم مسائل ہیں :

۱۔ ہمارے نظام تعلیم کا طریقہ کار بالکل بے مقصد ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی نظام کو اسلام کی اساس پر استوار کیا جائے۔ قرآن وحدیث اور دین کی لازمی تعلیم کے ساتھ دیگر علوم وفنون کو بھی اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ترتیب دے کر پڑھایا جائے تاکہ طالب علم صرف پڑھنا لکھنا ہی نہ سیکھے بلکہ کردار کے اعتبار سے مثالی مسلمان کا نمونہ پیش کر سکے۔

۲۔ خواتین کا مسئلہ تعلیم نہایت اہم ہے ابھی تک اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ ان کے لیے الگ خواتین یونیورسٹیاں قائم کر کے مخلوط تعلیم کا خاتمہ ضروری ہے ان کی تعلیم اور ان کی فطری اور گھریلو ضروریات

کے مطابق ہونا چاہیے۔

۳۔ ہمارے ملک میں تعلیم کے دو الگ متوازن نظام چل رہے ہیں۔ایک عام تعلیم دوسری انگریزی طرز کی اور پبلک سکولوں کی تعلیم موخر الذکر کے ادارے اپنے مزاج ماحول، انداز تربیت، نصابات تعلیم، طرز تدریس وغیرہ کے اعتبار سے سراسر اجنبی اور غیر ملکی ہیں۔ اور بہت سے ادارے برطانوی اور امریکی یونیورسٹیوں سے منسلک ہیں۔وہ ملی تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ ہمیں اپنے تعلیمی نظام میں ہم آہنگی پیدا کرنی چاہیے۔

۴۔ ہمارے ملک میں جو بیوروکریسی کا نظام ہے اس کو اسلامی سانچے کے مطابق ڈالنا ضروری ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ C.S.S (Central Superior Services) اور P.C.S Provincial Superior Services امتحانات ہوتے ہیں انہیں مکمل طور پر قرآن وحدیث دینی اصولوں اور ایک اسلامی ضابطے کے تحت ہونا چاہیئے اور پھر ان پاس افراد (امیدواروں) کو جو چھ مہینہ کی ٹرننگ دی جاتی ہے اس کو سختی سے ایک اسلامی اصولوں کے مطابق لانا چاہیے۔ تاکہ ہمارے ملک کی بیورکریسی پرہیزگار، تقویٰ دار، خدمت خلق اور خدمت دین سے مستفید ہو۔

۵۔ انگریزی زبان کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے اور بہت سے مضامین خصوصاً سائنس کے مضامین کی تدریس بھی انگریزی میں ہوتی ہے۔ انگریزی کی یہ بالادستی سراسر غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔ چین اور جاپان جیسی قوموں نے اپنی زبانوں میں سائنس کی تعلیم حاصل کر کے بے مثال ترقی کی۔ مگر ہم اپنی ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے ابھی تک انگریزی سے چھٹکارا نہیں پا سکے۔ پاکستان کے اعلیٰ سطح کے امتحانات سے انگریزی کو بطور لازمی مضمون سے ختم کرادیا جائے۔

۶۔ ہماری یونیورسٹیوں میں اسلامک فیکلٹیز کے اساتذہ کرام اور پروفیسرز صاحبان کو جو پی ایچ ڈی کے لیے یورپ وغیرہ بھیجا جاتا ہے اس کے لیے ایسا اہتمام کیا جائے کہ یہ اساتذہ اور پروفیسرز صاحبان اسلامک یونیورسٹیوں اور جامعات عربیہ میں بھیجے جائیں۔ تاکہ وہ اسلامی ریسرچ سے بھی مستفید ہوسکیں نہ کہ صرف کیمرج، آکسفورڈ اور دیگر مغربی یونیورسٹیوں کو بھیجا جائے۔

۷۔ حکومت وقت ہمارے دینی مدارس کو محفوظ قلعے بنانے کے لئے خود ہمارے علماء، مشائخ کرام سے تعاون کرے کیونکہ یہ دینی مدارس ہمارے ملک کی ایک اہم ضرورت بن چکے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہی دینی مدارس رہ گئے ہیں۔ جن میں نبی کریم ﷺ کی حقیقی تعلیمات پر سختی سے عمل درآمد ہورہا ہے۔

خدا کرے کہ ہم اپنے نظام تعلیم میں ایسی تبدیلیاں پیدا کرسکیں کہ ہمیں حقیقی آزادی حاصل ہو اور ہمارے سارے نوجوان دینی علوم کی وجہ سے ایک اچھے باعمل مسلمان بن کر صحیح معاشرے کی تکمیل کرسکیں۔

شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

حضرت مولانا سمیع الحق کا دورہ جمہوریہ یمن : یکم جون سے چار جون تک حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مد ظلہ نے جمہوریہ یمن کا دورہ کیا یہ دورہ یمن اور عالم عرب کے مشہور عالم اور مجاہد شیخ عبدالمجید زندانی کی پراصرار دعوت پر ہوا۔ شیخ زندانی عرصہ تک افغان جہاد میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے سات سال قبل انہوں نے یمن کے دارالخلافہ صنعا میں جامعۃ الایمان کے نام سے ایک آزاد اسلامی یونیورسٹی قائم کی جسے وہ اپنے ذرائع اور محنت سے چلا رہے ہیں اس کے فضلاء کی پہلی کھیپ تیار ہونے پر انہوں نے ایک بڑی تقریب کا انعقاد کیا جس میں ملک بھر کے علمأ کے علاوہ عالم اسلام سے جید علمأ اور سکالر بھی شریک ہوئے مولانا سمیع الحق صاحب یکم جون کو اسلام آباد سے روانہ ہوئے دبئی سے ہوتے ہوئے ۲ جون کو علی الصباح ساڑھے چار بجے صنعاء پہونچے ۔ ائیرپورٹ پر شیخ عبدالمجید زندانی اور یونیورسٹی کے دیگر اکابر استقبال کے لئے موجود تھے۔ ۹ بجے جامعۃ الایمان میں تقریب کا آغاز ہوا جو ایک بجے اختتام پذیر ہوا۔ امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد اور دارالعلوم کراچی کے نائب مہتمم جسٹس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بھی اس پروگرام میں شریک تھے۔ تقریب میں یمن کے صدر 'اعلیٰ حکام' وزراء 'ارکان پارلیمنٹ اور علمأ نے شرکت کی ڈیڑھ دو سو فضلاء کو سندات دی گئیں۔ شیخ عبدالمجید زندانی نے مولانا سمیع الحق صاحب سے بار بار اس کا ذکر کیا کہ مجھے جامعہ حقانیہ کی آزاد تعلیمی فضاء' جلسہ دستار بندی اور ختم بخاری میں شریک ہو کر ایک ایسے ادارہ کے قیام کا داعیہ پیدا ہوا۔ تقریب کے اختتام پر مولانا سمیع الحق صاحب اور دیگر مہمانوں نے پارلیمنٹ کے صدر شیخ عبداللہ الاحمر کے مکان پر ظہرانہ میں شرکت کی رات کو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے صنعاء کے پہلی تاریخی مسجد الجامع الکبیر جو بقول کسے گورنر باذان نے اسلام قبول کرنے کے بعد یہاں قائم کی اور یہ اسلام کی چھٹی مسجد ہے کی زیارت کی اور بعض صحابہ کرام کے مزارات پر بھی حاضری دی' دوسرے دن ۳ جون کو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور جناب قاضی حسین احمد صاحب نے صنعاء سے ڈھائی تین سو کلو میٹر باہر تاریخی مقامات سد مارب جس کا قرآن میں ذکر ہے اور ملکہ سبأ بلقیس کے پایہ تخت اور دیگر آثار قدیمہ کا دورہ بھی کیا' راستہ میں شیخ عبدالمجید زندانی کے صاحبزادہ اور داماد جناب عسکر صاحب نے اپنے آبائی شہر مارب پر ان کا قبائلی انداز میں زوردار استقبال کیا اور قبائلی انداز میں ظہرانہ دیا۔ رات کو صنعاء واپسی پر مختلف استقبالیہ تقاریب میں شرکت کی۔ عالم عرب کے مشہور مصنف اور عالم شیخ یوسف القرضاوی بھی تقریب میں مدعو تھے۔ اور دو تین دن اکٹھے قیام کے دوران ان سے بھی

حضرت مہتمم صاحب نے عالم اسلام کی صورتحال پر تبادلہ خیال فرمایا۔ ۵ جون کو علی الصبح صنعاء سے آپکی واپسی ہوئی اور اسی دن صبح آٹھ بجے براستہ دبئی پشاور واپس تشریف لائے۔

بین الاقوامی و مغربی صحافیوں اور اہم شخصیات کی حسب سابق دار العلوم آمد: حسب سابق گزشتہ دنوں بھی غیر ملکیوں صحافیوں اور خصوصاً مغربی تحقیقاتی اور علمی اداروں کے افراد جوق در جوق دار العلوم آتے رہے اور انہوں نے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مد ظلہ سے عالم اسلام کے حالات، تحریک طالبان افغانستان اور عالم اسلام کے عظیم رہنما شیخ اسامہ بن لادن، مدارس اسلامیہ کے کردار اور پاکستانی سیاست کے بارے میں تفصیل سے انٹرویوز ریکارڈ کئے۔ ان میں سے چند اہم اخبارات اور ان کے نمائندوں کے نام یہ ہیں: ہالینڈ کے ڈیلی نیوز پیپرز NRC Handelsblad کے ایڈیٹر ڈبلیو۔ بروئل مین، بی بی سی ٹی وی کے پروڈیوسر مچل فرکاس؛ فرانس ویکلی نیوز پیپرز کے نمائندوں، پاؤلو ووڈز، اٹلی کے المپر یسکو اور ڈائروڈ یلا سٹرانا اور اسپین کے پلیو یٹا او مینو، سوئیڈن کے ایک معروف جریدے کے ڈپٹی ایڈیٹر مسٹر جارج، ساؤتھ کوریا کے نیشنل ٹیلی ویژن کے پروڈیوسر کیمونگ ران کینگ وغیرہ تشریف لائے۔ ان تمام ٹیموں نے دار العلوم کے طلباً اور اساتذہ سے ملاقاتیں کیں اور نہایت ہی متاثر ہوئے آخر میں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ دار العلوم حقانیہ ایک خالص تعلیمی ادارہ ہے اور یہاں کسی قسم کی بھی تخریب کاری یا عسکری ٹریننگ وغیرہ نہیں دی جاتی۔ ان کے علاوہ دیگر مغربی اداروں کے اہم افراد بھی حضرت مولانا مد ظلہ سے ملاقات کیلئے لائے۔

دار العلوم کی سہ ماہی تقریب انعامات: مورخہ ۱۶ جون کو حسب سابق دار العلوم کے ایوان شریعت ہال میں سہ ماہی امتحانات کے مختلف درجات میں اول دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلباً میں تقسیم انعامات کی ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی۔ کتابوں اور امتیازی اسناد کی شکل میں تمام درجات میں پوزیشن حاصل کرنیوالوں میں حضرت مہتمم صاحب نے انعامات تقسیم کئے اور طلبہ کو کتابوں میں محنت وقت کی قدر و قیمت اور دیگر زرین نصائح سے نوازا۔ تقریب کے اختتام میں ملک کی ترقی و خوشحالی اور عالم اسلام و افغانستان اور فلسطینی مسلمانوں کے لئے خصوصی دعا کی گئی۔

دعائے صحت کی اپیل

دار العلوم حقانیہ کے انتہائی مخلص، مشفق بزرگ اور شوریٰ کے اہم عہدہ دار حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب مہتمم دار العلوم عثمانیہ روالپنڈی ان دنوں انتہائی علیل ہیں۔ گزشتہ دنوں آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور اسکے بعد آپ کا ایک آپریشن بھی ہوا آپ کچھ عرصہ الشفاء میڈیکل سنٹر اسلام آباد میں بھی زیر علاج رہے۔ حضرت مہتمم صاحب مد ظلہ عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ قارئین "الحق" سے حضرت قاری صاحب مد ظلہ کی صحت یابی کیلئے خصوصی طور پر دعاؤں کی درخواست ہے۔

مولانا محمد ابراہیم فانی

تعارف و تبصرہ کتب

کتاب : سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ　　مرتب : مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت : ۳۲۰ صفحات　　قیمت : درج نہیں
ناشر : القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرۃ خالق آباد نوشہرہ۔

بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ جن کا سانحہ ارتحال ۷ ستمبر ۱۹۸۸ء کو پیش آیا تھا آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی زیر نگرانی ماہنامہ الحق کا ایک ضخیم نمبر (تقریباً ۱۲۰۰ صفحات پر) شائع ہوا۔ جس میں حضرت الشیخؒ کے سوانح حیات کے ساتھ ساتھ دارالعلوم حقانیہ کی تاریخ اس کے ارتقائی مراحل پر بھی سیر حاصل مواد موجود ہے اور یہ نمبر نہ صرف ایک تحقیقی اور حوالہ جاتی حیثیت کا حامل ہے بلکہ یہ حضرت مولانا کے متعلق ایک دائرۃ المعارف اور ایک پراز معلومات انسائیکلوپیڈیا ہے چونکہ اپنی ضخامت کے اعتبار سے یہ نمبر انتہائی غیر معمولی ہے جس سے استفادہ کرنا ہر کسی کے لئے آسان نہ تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کی تلخیص ہو جائے تاکہ اس سے استفادہ میں کسی دقت اور دشواری کا سامنا نہ ہو۔ چنانچہ اس اہم ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی نے اس عظیم نمبر سے انتخاب کر کے یہ مرقع عقیدت تیار کیا ہے۔

یہ کتاب ۲۴ ابواب پر مشتمل ہے جس میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے عہد طفولیت سے لے کر تادم واپسیں کے تمام حالات وواقعات آپ کے امتیازات وخصوصیات علمی ودینی خدمات درس وتدریس افادہ، واستفادہ نظریہ تعلیم وتربیت ذوق علم وشوق مطالعہ پسندیدہ اشعار، اخلاق ومعمولات ذوق عبادت وانابت تقوی وخشیت الٰہی زہد و تواضع و فنائیت مخلوق خدا پر شفقت علم پروری اصاغر نوازی فیاضی وایثار جود وسخا وجاہت ومحبوبیت خاص منامی و بشارات کرامات و غیبی نصرت عشق رسولؐ سوز و گداز، محبت و اتباع سنت دعوت و تبلیغ وعظ و خطبات مکتوبات محد ثانہ جلالت قدر فقہی بصیرت وحکیمانہ انداز کارزار سیاست میں قدم دینی جذبہ شوق جہاد و جذبہ شہادت استغناء وسلاطین سے بے نیازی اور اسی طرح سینکڑوں عنوانات پر مشتمل گویا مژدہ قلوب کیلئے ایک نسخہ کیمیاء اور اکسیر شفاء ہے۔ کتاب کی ترتیب و تبویب اور طباعت وجلد بندی انتہائی سلیقہ سے کی گئی ہے جس سے اس کے ظاہری حسن میں انتہائی نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ عقیدت مندان وارادت کیشان حضرت شیخ الحدیثؒ کے لئے یہ ایک بے نظیر

تحفہ اور بے مثیل سوغات ہے۔

ماہنامہ : ''القاسم'' خالق آباد نوشہرہ زیر سرپرستی : مولانا عبدالقیوم حقانی

خصوصی اشاعت مولانا مفتی کفایت اللہؒ نمبر۔

شائع شدہ ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء الجمعیۃ دہلی ''جدید اضافوں کیساتھ''

ضخامت : ۲۳۲ قیمت : درج نہیں

ملنے کا پتہ : ماہنامہ القاسم' جامعہ ابو ہریرہؓ خالق آباد نوشہرہ صوبہ سرحد

ابو حنیفہ وقت مفتی ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب قدس سرہ کی ملی و دینی خدمات اور استخلاص وطن کے لئے ان کی جدو جہد اور مجاہدانہ کارناموں سے ایک عالم واقف ہے اور تاریخ کے صفحات پر آپکا نام ہمیشہ کے لئے درخشاں طور پر تابندہ رہے گا۔ آپ کا سانحہ ارتحال ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو پیش آیا اور جمعیت علمأ ہند کے ترجمان اخبار الجمعیۃ نے حسب معمول اور اپنی روایت کے مطابق آپ کے کارہائے نمایاں پر ایک خصوصی نمبر نکالا۔ جو کہ بہت ہی جلد ناپید ہو گیا۔ اسی طرح آپ کے فرزند مولانا حفیظ الرحمان واصف نے بھی مفتی اعظم نمبر اور دیگر رسائل و جرائد سے آپ کے متعلق لکھے گئے مضامین یکجا کر کے ایک تاریخی دستاویز مرتب کی اور مفتی اعظم کی یاد کے عنوان سے وہ مجموعہ شائع کیا۔ بعد ازاں حضرت مولانا سید اسعد مدنی مد ظلہ کی خواہش پر جدید ضافوں اور نئی ترتیب کے ساتھ ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی نے یہ نمبر نکالا۔ اور اپنی افادیت کے پیش نظر بہت جلد یہ خصوصی اشاعت خواص و عوام کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ بہر حال اب یہ تاریخی دستاویز عظیم علمی و تحقیقی خزینہ ادبی فن پارہ اور ایک نادر گنج گرانمایہ جس سے پاکستان کے اکثر تعلیم یافتہ حضرات ناواقف تھے اور ضرورت اس بات کی تھی کوئی ادارہ اسے دوبارہ شائع کرنے کا اہتمام کرے چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے اپنی زیر ادارت نکلنے والے ماہنامہ ''القاسم'' کی جلد نمبر ۴ کے شمارہ نمبر ۹ تا ۱۱ کو اس نمبر کیلئے وقف کیا۔ اور انتہائی قلیل وقت میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا ۔ اب ادارہ نے اسکو دوبارہ چھپوایا ہے ۔

الغرض یہ عظیم تاریخی دستاویز اور تحقیقی نمبر ارباب ذوق اور سیرت و سوانح سے دلچسپی رکھنے والوں کو دعوت مطالعہ دے رہا ہے۔

Adarts-HRA-5/2001

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

پروفیشنل اور تجربہ کار ٹاؤن پلانرز کے زیرِ نگرانی عظیم الشان رہائشی منصوبہ جات

اسلام آباد ماڈل ٹاؤن

خصوصی رعایت حجاج کے لئے

ISLAMABAD MODEL TOWN

موٹروے سٹی خیبر بلاک

MOTOR WAY CITY KHYBER BLOCK

10,000 روپے فی مرلہ

خوشخبری

3 مرلہ، 5 مرلہ کے پلاٹس پر رہائشی مکان تعمیر کر کے آسان اقساط پر فروخت کئے جائیں گے

اسلام آباد سے قریب پُر شور اور پُر آلود زندگی سے بالکل پاک پُر فضا اور بہترین نظارے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے بہترین سیرگاہ شاہ پور ڈیم، مجوزہ نیو انٹرنیشنل اسلام آباد ایئر پورٹ، موٹر وے پی اے ایف ہاؤسنگ سکیم، P.E.C.H.S ہاؤسنگ سکیم سے قریب تر، 120 فٹ چوڑی فتح جھنگ مین روڈ پر اور راولپنڈی سے 25 منٹ کی مسافت پر واقع ہے۔

کمرشل پلاٹ:
سائز 30 x 15

طریقہ کار ادائیگی:
2000 روپے فی مرلہ ایڈوانس
200 روپے فی مرلہ قسط

نقد ادائیگی پر رعایتی قیمت: 40,000 روپے وصول کئے جائیں گے

رہائشی پلاٹ: 5 مرلہ، 10 مرلہ اور ایک کنال کے رہائشی پلاٹس دستیاب ہیں

اب موٹروے سٹی خیبر بلاک کی بکنگ کا اعلان کرتے ہیں جو کہ جماعتِ اسلامی کے مجوزہ مرکز قرطبہ سٹی اور تعمیر ملت ایجوکیشن سٹی (شفا انٹرنیشنل ہسپتال اسلام آباد) کے درمیان نیو انٹرنیشنل اسلام آباد ایئر پورٹ اور بین الاقوامی شاہراہ موٹروے کے قریب واقع ہے۔

کمرشل پلاٹ:
سائز 30 x 15

طریقہ کار ادائیگی:
1000 روپے فی مرلہ ایڈوانس
100 روپے فی مرلہ قسط

نقد ادائیگی پر رعایتی قیمت: 30,000 روپے وصول کئے جائیں گے

کارنر اور ڈبل روڈ فیسنگ پر دس فیصد زائد
کُل قیمت کا نصف یکمشت ادا کرنے پر پندرہ دن کے اندر رجسٹری

ہمیں ملک بھر، آزاد کشمیر اور بیرون ملک سے نمائندے درکار ہیں۔ خواہش مند حضرات جلد رابطہ کریں۔

آفس کے علاوہ کوئی بھی شخص رقم وصول کرنے کا مجاز نہیں

بروشر اور فارم دفتر سے مفت منگوائے جا سکتے ہیں

مزید تفصیلات کے لئے:

الاتحاد کارپوریشن

7-B روشن پلازہ، سکستھ روڈ چوک، مری روڈ، راولپنڈی۔ فون: 0320-4921862, 051-4581451

سائٹ آفس فون نمبر: 05775-664-210236

محمد نصیر خان مروت
چیف ایگزیکٹو